تذکرۂ خندۂ گل

یعنی

اُردو کے ظریف شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مولفہ

مولوی عبدالباری آسی

حرف ش

حرف ص

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

حرف میم

حرف ن

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

سنہ ۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا۔ مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے۔
تخلص [illegible] خود نہایت مشاق سخن گو تھے۔ مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ
اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے۔ تذکرون مین جو کچھ تھوڑا بہت
حال [illegible] ہے، اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا۔ ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت
[illegible] تھے۔ آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص
[illegible] ولی محبت تھی۔ آزاد کے علاوہ بعض تذکرون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی
[illegible] مرزا جان جانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی۔ یہان تک کہ باہم ہجو
[illegible] نوبت پہونچتی تھی۔ اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ
[illegible] جاتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو۔ مگر استداد
زمانہ [illegible] نہین پہونچنے دیا۔ البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرہ ظرفا
[illegible] لانے کی اجازت دی۔ تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی ملگئے جو [illegible]
[illegible]

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ اِن کے معاصر مرزا جانجانان نے چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو مین یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ مین اک گانٹھ ہے — آبرو سب شاعرون کی گانٹھ ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو مین یہ شعر کہا

کیا کرون حق کے کئے کو کور میری چشم ہے — آبرو جگ مین رہے تو جانجانان پشم ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔ انھین کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یارو خدمتگار خان خوجون کے بیچ — ہے تو مستثنیٰ ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہین چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے مین نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایہ عمر بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ مین اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس مین۔ سیاہ۔ کالا۔ اندھیرا۔ یا انکا مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُن حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اسی مین جو شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہون اتفاق سے دیوان مین ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہین ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان — لوگ کہتے ہین مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہین ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے۔ مگر جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہین ہے کہ تمام دیوان مین ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شائستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

سایہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے — کہ کالے سانپوں میں منا سا کھنکھجورا ہے
خلاف وضع ہے مرنا نہیں فرنگی پر — میں آبنوس ہوں دیتا ہوں جان نگی پر
دلکھیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے — کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانے والوں نے
جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں — مجھسے کہتے ہیں تیسرا کالا منھ
ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو — کالے پانی اتار دو مجھکو
اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ — مگر وہ بت سلونا سا لونا ہے
خال و خط اس کے روئے روشن پر — لال کملی میں کالے تل سمجھو
ترشروئی میں اُس کے موٹے ہونٹ — کالے شہتوت کے برابر ہیں
رام ہو جائے گا بت کافر — پوجتا ہوں میں کالی مائی کو
ان چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بار مسی کا ڈالا ہے — میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا
[illegible] ہیں اُس کے روئے انور پہ — کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر
[illegible]ن کھینچی ہے زلف کی تصویر — ساتھ ہے میرے میرا کلوا ہیر
[illegible]ے کا نشان شیخ جی کا — ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا
[illegible] شگوں تمھارے چہرے پر — باغ کی ایک کالی کویل ہے

[illegible] ضمیر حسین نام ہے - اشاہ تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں [illegible]ے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ [illegible] نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی افتاد طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کر دیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو آن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا فیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب بس لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہرحال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کی تصویر رنگین سے کم نہیں ہے۔

بیوی نے کس غضب سے شوہر کو آبا کر دیا ... اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگ سے پیدا کر دیا

یہ کہتے پھرتے ہیں بہاتو نے طالب وٹ ... ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار نہیں

دل غریب کو بھی چھیڑ دیا ہاندی کہتک ... کہ ہیں ظالم نہیں دل مرا ہار نہیں

میں نے از بسکہ نے کو تسکیں اس ستم ایجاد کی ... یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھ سے جب بولے میں کیوں نالہ کرو ... یک شب[1] دیا غالب نے کوئی لے نہیں فریاد کی

آگ رکھکر پھونکتے بھی تھے بچا اچھا ہوا ... آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوا نہ نام

[1] غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ؎ فریاد کوئی لے نہیں ہے ... نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں۔

ایک بڑھیا سے ہنے کی یاری — ساری دنیا میں ہو گئی خواری
رات کو اُس کے پاس جب لیٹا — بولی "چپ ہو کے سو رہو بیٹا"

آس ۔ یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے ۔ مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ
تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا۔ سنہ ۱۲-۱۹۱۱ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام
سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے
نامور شعراء شریک تھے صفی ۔ محشر ۔ عزیز ۔ ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے
انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا
واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے ۔ چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق
تھا ۔ اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ۔ مگر چونکہ اِن کو حسب خواہش داد نہ ملسکتی
تھی اس لئے اِن کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں ۔ اگرچہ مرزا صاحب
[illegible] خیال انکا صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکائے معیار
[illegible] ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ
[illegible] مرتبہ بنایا گیا ۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری ۔ اہل قلم تھے
[illegible] اعتراضات کرنا شروع کئے ۔ اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیئے
[illegible] کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے
[illegible] جز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

[illegible] نہ دانند بہ دانند مرا — ستائش کسند تا توانند مرا
[illegible] پہلواں آس پُر دل منم — بہ گردان معنی مقابل منم
[illegible] من جملہ انداختند — رمیدند و مروند و دل باختند

ہلاکوئے شان بدریم ما | پئے بزدلاں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم | نہ یزداں کہ در کیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم | سنم طعنہ بر مصحفے میزنم
بلے ہمچو من نیست اندر جہاں | ہنر پرور یانم ہنر پر زیاں
شاید اگر در ذے من ہمچو قیر | بدل یاس را دیدہ دوزم بہ تیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس | بود در دلِ کافراں جائے یاس
دل کافراں ہمچو دوزخ بود | نہ دوزخ بجئے یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو | تفو بر رخِ یاس اینک تفو

آزاد ۔ ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لُہار اور بدایوں کا رہنے والا تھا ۔ محبی محمد بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوے ۔

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم | کاندھے پہ لئے پھرتا ہے چھپر کبھی وان ہے
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی | اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا دیکھ کر والو

آسی ۔ خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے ۔ اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہو سکتا ۔ مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے ۔ بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کر دوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھوں گا ۔

میرا مولد و مسکن قصبہ آلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے ۔ بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدایش سنہ ۱۸۹۳ء میں ہوئی سنہ ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدہٗ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق سنہ ۱۹۱۶ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی کبھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کردوں۔ مگر بیکار رہی۔ شنند رشانتا ناول چار حصہ یہ [illegible] ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول ون چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعراس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زاغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ میں پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اردو۔ غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سانس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سر ودے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرۂ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اردو فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں سنہ ۱۹۱۰ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں سنہ ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد۔۔۔

دلکشی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۲ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولنا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو اب تک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنغض ہو جاتا ہے۔ سننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانہ حیات میں لگایا جا سکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعوی کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہرانِ فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دلپر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ ادھر یہ عالم ادھر ان مدعیان بیخبر کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجاکر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ اِن لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل مشکل ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ تھا جسکو دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جس میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ ادائے بیجا بانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی اوصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر اِن مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ رائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

ہین ہین غزل کہنی شروع کیں۔ اورحتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا درد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسدان بد ہیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تا اینکہ اب برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذالک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایت بیجا میں کیا کروں ۔۔۔ میرے ہنر کو ہیں ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں ۔۔۔ ہاں مگر ڈرتے تھے سب جس سے یہ وہ ہمت نہیں
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا ۔۔۔ جج نے تو یہ کہہ دیا جاسے ہمیں فرصت نہیں
ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی ۔۔۔ پاپیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا ۔۔۔ کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں ۔۔۔ پتنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا
مرے سوز دروں کو مجھسے سنکر ڈاکٹر بولا ۔۔۔ کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا
ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی ۔۔۔ چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے ۔۔۔ ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دو نامیوں میں ۔۔۔ پائجامہ جذب ہو کر رہگیا تبلون میں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی　　　دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہو گنڈت بائی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چوکے مزا اب آپ کھائیے　　　ہوٹل میں رہیے اور مٹن چاپ کھائیے

جن کو ورزش ہی شب غم کا گلہ ہے کچھ　　　بنگالنوں کے چاکے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہو اگر طبع ظرافت سنج میں　　　دیکھ لے جا کر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلاف مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا　　　اتحاد قوم چوں چوں کا مربا ہو گیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے　　　کہتے ہیں جسکو جیل وہ لیڈر کو کھیل ہے

لیڈر نہیں ہیں کہیے انھیں شاہ زبان قوم　　　اب جو انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانسامانی کی رسوائی قبول　　　کیک دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ جیاد رہے ہر رسم کی تجدید کرو　　　کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعران نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں　　　جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں

ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں　　　وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں　　　شیخ بیچارہ تو اسی صفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے چھٹتے بزرگوں سے ‏ مگر بدقسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی چوری ‏ مگر میرے نزدیک دونوں بچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں ‏ یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا ‏ بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور ہر شب ہے ‏ سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اسپیچ ‏ جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر ‏ شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہے دل ذکر حسین و بتول کا ‏ قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہو جوش ادھر شانتی بھی ہو ‏ اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم اُن میں ‏ اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرتِ ناصح ‏ آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

میسا اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصح شفیق ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے
وبالِ جان ہوتی ہے یہ مغربی تعلیم کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے
اس سے بہتر اچھے ہیں واعظ کہ وہ قول الفرب دار و نخ تو ہمیں انسانیت نے بند کر دیا
کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تو چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو
اے شیخ تجھکو حالتِ جنت سناؤں میں دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھدے جیب تو

آشفتہ — عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے قائم چاندپوری سے اُردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض "ریاض عنبر" ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ "تدقیق الخیال" ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۳۶ھ تک بقید حیات تھے۔ آخر وقت میں مرادآباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے گھیر میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

شرارت تھی بھری ہرجائی کی ایک ایک لٹ میں ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں
کوئی تب ایسے شنڈے سے اپنے جی کو الجھائے مری انگیا گئی ہوتی ابھی نوچا کھسوٹی میں

آشوب — یعقوب علیخاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند
آشوب ان کو ڈر ہے کہیں ناف مل نہ جائے — اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر — کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے مُوئے کے — کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیرے لگے ہیں — بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

اُلٹکر لیس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخرا ہے - پوچ بے معنی شعر کہتا ہے - خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اُسی کا ہے -

در عشق تمے جیوڑی پیست مچا پچ　　　یہ پھرکی وہ دتا یہ چخ وہ غچا پچخ

اٹل - تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے۔ میر جعفر زٹل کے معاصر تھے - کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے - ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی - جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے - لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی -

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجیب خلط مبحث سے کام لیا ہے مسٹر الیت فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالبًا میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے اُن کو دھوکے میں ڈالا - حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں - تذکرہ خمخانہ میں اُن کو دہلوی لکھا ہے - مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے - کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے - اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے - میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے - مثلاً - پناہ ڈہائی دچوٹائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر روز از دبا و میا لی سکھی باشند - از سدا اٹل بعد از دہینگ دجو ہار بہت و بسیار و منو ہار بسیار او جھل و تحفی نماند -

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھسے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کرکے بھیجدوں گا دوایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفاے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا نہ گزر کیا ۔۔۔ جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھسے خفا ہوگئے ۔۔۔ بات پتے کی جو سنی کھو گئے

اُجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام وکلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمٰن نام تھا۔ دلّی کے مشہور ومعروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور روساء اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعر اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے سیاں وقت سحر گاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں - فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا -

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب سنگ وقت سحر گاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے - اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے -

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے - شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور ان سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی - ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا -

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا　　جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے - اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں - تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے - بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا - اور کچھ درماہہ معین تھا - ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا -

صید ماہی وصید دل شاہا　　خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جال ہوں اور شکار مچھلی کا　　یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے　　وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے　　صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آجا نہ سکتے تھے - سلام مجرا سب بند تھا - آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کر کے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں۔

عرض غم نا پذیرا ہوئی میرے حق میں
کیا گیا میرا مگر اسکا ہی ایمان گیا

حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہو
سن کے اسباب اک شہر کا اوسان گیا

اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احساں
خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا

شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو
قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرتِ احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہرِ دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں۔ تمکنت۔ غرور۔ خودداری۔ نام کو نہ تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور تا حین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۱ھ میں پچاسی برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی مے گلگوں کی حرمت ہے کہتا تو ہیں
لیکن بڑی ذلت ہے رشوت کا بچا جانا

بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں
مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بچا جانا

ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو العینی
جب رات بجے آدھی ہم پاس تم آ جانا

دلا دو زلف سے دل ورنہ سب سے کہتا ہوں
کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا

تنخواہ ایک بوسہ ہے تسپر یہ تحکمتیں
ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح

نہ چھوڑ زردہ رشیخ اب تو شیخ کا اخلاص
اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں شکم میں سامان دولت کو ہم
یاں تو دوزخ کی بڑی ترسینگے واں جنت کو ہم

قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ
آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے منگلے انگور — اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

خفا مت ہو مجھکو ٹھکانے بہت ہیں — مرا سر رہے آستانے بہت ہیں

شکم پر در قیامت کو چھپا میں تو میں جانوں — کہ دوزخ لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

وہ بھی یوں سے مجھے اک ماہ میں لے ماہ نہ دو — وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان ۔ احسان علی نام ہے ۔ صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے ۔ تجارت و حرفت سے کسب معاش کرتے ہیں ۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے ۔ دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں ۔ چونکہ استعداد علمی معمولی ہے ۔ اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔ غزل بھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں ۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا ۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔ راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں ۔ نمونہ ظرافت یہ ہے ۔

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے — آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے

آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار — اب مسیحائی میں رہا کیا ہے

پھر پچ دکھلا کے مجھے کہتے ہیں — یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے

دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے — نوچی کیا اور نائکا کیا ہے

سن لیا ہے جو نام احساں کا — کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے

جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی نہیں پر — اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر

یہ سالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پہ — حبشی بچوں نے ڈیرا ڈالا ہے ملک چیں پر

آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو — نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر

تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم — یوں حاشیہ چڑھایا ہم نے جبین حسیں پر

مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا — اونچی کبھی ہیں کہیں پر نیچی کبھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں افیمی پینک کا رنگ دیکھا
ٹانگیں ہیں آسماں پر اوندھا ہے سر زمیں پر

مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب
آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی ڈسلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں
جورو بھی مالدار کرتے ہیں

رنڈیاں مکھی پکڑ کے کہتے ہیں
یوں شکاری شکار کرتے ہیں

کیا زمانہ بہادری کا ہے
مرد کو مرد پیار کرتے ہیں

آپ کے باپ کا اجارا ہے
ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں

مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں
اب وہ الٹا سنگار کرتے ہیں

ترقی القلوا انزا نے اتنی کی زمانے میں
کہ عطاروں نے رینٹھے دیدیے آلو بخارو نمیں

اکڑ کر بیٹھتا اُن کا گدھے پر صاف کہتا ہے
سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہو گئے ہیں شہسواروں میں

کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں
وہ کیا شے ہے جو مرجھائے تو مل جائے چھوہاروں میں

نکل آئے ہوا سے احساں ادھر تو ذائقہ چکھ لو
غذائیں اچھی ملجاتی ہیں اکثر بیدہ داروں میں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہو گیا
ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہو گیا

پھانستا ہے مرغ دل کو مرے دام زلف میں
اب تو وہ رشک حور چڑیمار ہو گیا

بیچوں بیچوں سے بیچ کے تہ رہ کیا آپ غیر کا
نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہو گیا

احساں رہیگا چوہوں کا یہ دو جوتوں کے سر
گر غیر کو پلیگ کا آزار ہو گیا

کچھ غم نہیں جو زخمی ہے انا مہ بر مرا
اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہو گیا

چھپکا لگا کے آیا ہے روئے صبیح پر
اب تو وہ ماہ اختر دمدار ہو گیا ۔

جواب صاف بزازوں کو ہر اک مل سے ملتا ہے — کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں — جسطرح ماہ ستمبر سے تومبر نہ ملا

کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا — جنتری ہی میں ہمیں ماہ دسمبر نہ ملا

عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات احسان — پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے — اکبار پھر چلو ذرا کولا اچھال کے

تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے — کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے

ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا پڑھی — اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے

بعد مہ صیام نہ کیوں خستہ حال ہوں — کھائے ہیں میں نے روز و بنیں ٹکڑے سہال کے

دل صاف کرکے آئے ہیں محفل میں آج شیخ — لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آہی گیا جذبِ محبت کا — میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا

لڑکپن میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا — کھلونا ڈھونڈتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا

مکانِ دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدن سے — ہوا ہے شوق انکو جب سے عاشق کی مرمت کا

میاں مجنوں نے لے احسان سنتے ہیں کہ رحلت کی — صفا چٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرتِ شمشاد کا — ہو قلم کبھی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

. . . .

جرمنی گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام — آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنمخانہ میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی - مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایکسا دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا ۔۔۔ بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام سے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ ۔۔۔ غیروں کو بھیم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کئے ۔۔۔ لڑھک گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مصطفےٰ خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً فی زماننا وہی ذریعۂ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جابجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - ۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہوگئی اُسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں ۔۔۔ کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے کھنچتے ہیں پاؤں خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
کہتے ہو کہا جائینگے کچا ترسے دل کو یہ کیا وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمھاری خاطر مرقد کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ پلٹنے کی سکت آہ لائی ہے کہاں حسرتِ دیدار مجھے
میں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر جہلا دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں اُن میں مسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیبِ روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بندر ہے
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے کہ میری آہِ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح حال میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہو گیا
یہ ترے دہن کی ہے مہک یا بتِ بدخو بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیالِ یار رہنے دیجئے اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے
پھیلنے دیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے
جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصابِ عشق روغن زرنیخ و سم الفار رہنے دیجئے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر　　اُسکو کارڈ بھیجدیجئے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتقاے خاص کے بھی نیچ جی　　بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوے
ایسے دعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار میل　　دو مہینے ہوگئے ظالم کو ٹر خاتے ہوے
ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل　　فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوے

گل عارض پہ ترے بلبل شیدا کی طرح　　ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں ہوا

چمن جب نذر صرصر ہونے والا ہے تو اے بلبل　　یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تو نے بنائے ہیں
وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو　　خدا کا شکر ہے کالج میں سب سے فسٹ آئے ہیں
مزا لوٹا نہیں گلچیں نے باغ محبّت کا　　ابھی تک آپ نے اے جان من کوٹے اڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کردے　　مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کردے
وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا　　جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کردے
دل عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ　　وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کردے
وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں　　الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کردے

جب کوئی اڈمٹ دیکھتا ہی فلیس دو روپے　　چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوا ہے

....　　.....................

....　　.....................

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرا لینے کی عادت ہے
ڈکیتی پر بھی آ جائینگے وہ شاید جواں ہو کر
مرا دل اور انکی آرزو یوں ہیں بہم گویا
رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہو کر

اک پردہ نشین جیب سے کرایہ پہ ہے امیں
رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
گو صدرجہ پشیمان ہوئے ہیں وہ سر بزم
پا جائے میں اتنا بھی نہ بودا ہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں
اک پیالی چائے کی حسرت بھی ابتک دل میں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار
نوبت آئے گی ہاتھا پائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں
لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہائے تقریب وصل کیا ہو گی
ان کو عادت نہیں مٹھائی کی
منڈ گیا جا کر ان کے کوچے میں
کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی ستنے
کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا
گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں
نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دور سبو ہے اور وہ یوں بے لکان ہے
گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھا کے غیر وفادار بن گیا
ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر
پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

شیرینیِ وفا کی ہے بہتات گر یہی　　حلوا فروش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوالِ وصل پہ مار و عدو کو　　یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں　　میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
اچلے کالج سے پہونچے کونسل میں　　ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا　　یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا
کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے　　تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا
وہ مرگِ غیر پہ اظہارِ غم کریں کسطرح　　کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہو کے ارزاں سچ یہ ہے　　سیب جیسی چیز کو ہم ترخ شلجم کر دیا
کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری　　کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کر دیا

حرص کوثر ہو تو دوزخ میں جلوں اے ساقی　　مجھکو کچھ اور نہیں چاہیئے کنٹر کے سوا
اور بھلا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا　　حضرتِ بوٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا
بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقینِ صلوٰۃ　　شیخ جائیں گے کہاں بزمِ مزعفر کے سوا

دلِ شیخ محوِ مناجات ہے　　شبِ لیلۃ القدر کی رات ہے
وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح　　جو دیکھے یہ سمجھے مسمات ہے

جاگیرِ نجد کام ہی آئی کہ آخرش　　مجنوں کا خاندان زمیندار ہو گیا

لکنت نے خوب کام بنایا دم وصال
انکار کرنے والے تھے اقرار ہوگیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں کچھ ۔
شاعری مجھکو گر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا
خوب آلو بولتا ہے آجکل صیاد کا

پسینے آئی ہے تربت میں مجھے سختی گر
لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا

ہمنشینوں کی جدائی شاق ہوجاتی مگر
ہے چڑیماروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں ست خرام ناز ہیں
یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں
دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

آنکی الذت سے تو بہتر تھا کہ ہم
کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ساتھ آتے جو وہ شیرینی لب
ہم بھی سشبرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم
آپ ہی کہیے گذر کس طرح ہو قلیتن میں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں

کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
خیر گزری جانے والا ترا نائی نہ تھا
ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

ہم اور عرضِ مطلب آئے عدو کے گھر میں — دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں
ہیں یاس و حسرت و غم فکرِ دل و جگر میں — ان بالشتیوں سے ہی ملک جان خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں — نکلا اک انکے گھر سے پہونچا اک انکے گھر میں
غربت میں جو میسر ہو جائے ہے غنیمت — گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہے کیا گٹسر میں

کلو نہیں تو شاید سٹے ہو رہ محبت — ہر راہزن کا کھٹکا ہوں فکرِ راہبر میں
کل قصد ہے جو نا صبح تشریف آوری کا — پسوا کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

. . . . — . . . .

سالوسے میں ہر ملاحت گالی میں ہے حلاوت — کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

. . . . — . . . .

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا — مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہے گنج سر میں
کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا — اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں
کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے — چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپ کے روز قبلہ جاتے ہیں آپ گھر میں

اسد ۔ جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے نہ معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں ۔ چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں ۔

اُٹھا پردہ بس اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسواں کی — یہ ہے تاثیر یورپ کے جنونِ فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیرت میں نے کہا اوں ہوں تھو
بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی

جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے
سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی

سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توندا پنے خنجر سے
ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی

نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر
ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی

نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا
چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی

نہیں جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاؤ
چڑھو ممبر کے اڈے پر بنا کر شکل ٹیاں کی

وکٹ تھاپی لیے پھرتے ہیں میدانِ فضیلت میں
ترقی خیر سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لیے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے
اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمیٹو ہے بس
مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھیڈس

وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں
نٹن ہے نہ گھبی نہ موٹر نہ بلینس

مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہوں نہ
ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس

وہ اوڑھے دوپٹا ہیں باندھے ہوں صافا
جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

آلو میں نے سمجھے بنایا
مجھکو کھوسٹ خطاب دیدے

رُکنا کرتا ہے سخت نقصاں — جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے

.... — ....

کیا بتاؤں میں تمہیں حالِ رُخِ یار کا ظلم — خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چپتیں کھاتی پڑیں حجامت پر — سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم' تو سوتا ہوں — سنکھیا کھا کے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا — نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اُسکی کرتے ہیں — حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے — میں ہوں اولاد بکرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل ۔ آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں۔ علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے۔ مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے۔ مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی۔ حالی مرحوم اور مولانائے مذکور کا ایک رنگ ہے۔ بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں۔ آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

[illegible] اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا [illegible] کیا - آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آے تھے مگر باوصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا - اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے - تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا - آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں - اور ایک کلیات نظم یادگار ہے -

آپ نے ایک قصیدہ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے - یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے - جس میں نصایح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے -

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار	یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار
کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ	گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے	اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے بھری گتکا	ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سر تاکا	دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی	نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار
چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھکر چکر	کھڑا ہے ایک لئے سینہ لڑ رہا ہے گو ہار
میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے	مٹے ہوے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار
سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں	نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت بیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی	کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دل سے نثار
جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر	میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت / کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضموں / سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ / کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشقِ زار
تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ / کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار
کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو / نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار
جو اپنے فخر پہ آئیں تو بس کریں تسخیر / حدودِ ہند سے لے تا بہ فارس و تاتار
ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا البتہ / پڑا ہے نیم کا پتہ اور اس پہ پشہ سوار
وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے ناخدائے جہاز / اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ زخار
اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر / سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار
کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن / وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں دُرِ شہوار
جو ان کے دیکھیئے دیوان تو بور کے لڈو / غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار
وہی ہے شاعرِ غرّا جو بے تکی ہانکے / یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار
یہ اُنکی طبع بلند اور معنی رنگیں / جو طبع گند ہے تو معنی سڑا ہوا مردار
نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی / غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار / ستم شعار دل آزار بے وفا مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کمر / بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول / پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار
جو ڈن ہال کی محراب ہے خمِ ابرو / تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا / بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار

شبِ فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر — تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو ہے پنچی بلبل — وہی ہے سرو کا ٹھنٹ اور طول قامتِ یار

غریب شیخ پہ ہر دم وہ لتیاں جھاڑیں — کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر — یہ کوستے ہیں اُسے یہ مریدِ ناہنجار

جمالِ یوسف و اعجازِ عیسیٰ و موسیٰ — ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب — یہ اُن کی تو دیکھری شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا — اور اُن کی بندشِ مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون — بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا دروغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن — چپک رہا ہے لبوں پر جو شہد کا گفتار

لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ — لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حورانِ خلد سے نسبت — بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشنِ بے خار

جب اتپہ ہوتے ہیں مضمون مبتذل وارد — تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار

کریں جو مدح کسی چیز کنے کی وہ بالفرض — تو پھر سکندر و دارا ہیں اُسکے باج گزار

بنائیں اُسکے تئیں بر و بحر کا سلطاں — جو فی المثل ہو کوئی گورِ دہ کا نمبردار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے ہاتھ لبیا — لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹینی مرغ — لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج اُستادِ زماں — کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل — تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے — جہاں کہ اتے تھے یہ بھانڈ کاغذی ہولار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر — کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے — گیا ہے قافلہ دور اور ٹٹولتے ہیں غبار
وہی قدیم زمانہ کا "فلسفہ سڑیل" — ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھئی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود — پڑھتے پھر و اب اُن کے مزاروں پہ درود
کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے — یا اتنی ہی پونجی پدرم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیانِ اسلام — جب بیچ مساجد سے نہیں چلتا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو — جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بیکار نہ وقت کو گزار و یار و — یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہار و
برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم — کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز — سب کرتے ہیں دندانِ ہوس ان پر تیز
پڑھتے ہیں مگر علوم انگریزی سے — گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا عبد اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب بھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اوٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرنے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور نہ وردشور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرّم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر | از ملک فنا سوئے بقا کرد گزر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرّم | اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت بُرا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلّمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما | زیں اشتہاے بیجد و مالا کلام ما
با ماکسے چگونہ ز ذلات پر خوری | کایں سکہ را زدند درادل بنام ما
گر روزی تمام خلائق کند جمع | گردد غذاے مختصر صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است | سرپوش کوچکے است بہ قاب طعام ما
قنّاد راز ما برساند کسے سلام ق | وانگہ ز روے لطف بگوید پیام ما
چوں ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شماست | دور از مروت است بود تلخ کام ما
از فیض عام شربت تاریخ عافیت | پیش از سکنجبین بجہان شد قوام ما
از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب | سوز سمندری کہ کند قصد بام ما
مشکل کہ روز حشر برآریم سر ز خاک | تا بوے قورمہ نرسد در مشام ما

بوے نرسد شام ز قورمہ بمشامم | گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را
گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق | یک لحظہ کنم کشف دو صد راز نہاں را
گر یک دو سہ نانے بکف آرم مجرم | صد پارہ کنم کون رن شمر دشاں را

دستم مزن بر دل دگر از درد جو غم در گرد | دیگر میا در در نغاں ایں طبل بے ہنگام را

پیش من گر نهند حلوا را — میخورم هرچه هست یکجا را
سرو از پا نشیند ار بیند — قامت قند سرو بالا را

.... — ....

یک شتر از خربزه کو تا که بر بارم کنون — از کف این ساربان ایدل مهار خویش را

کو شخص کریمے کہ دریں موسم سرما — ہر صبح سیہ چلیغی بہ گزارد بہ بر ما
از بوی خوش قرمہ فزوں مست و خرابیم — از محتسب شہر چہ اندیشہ چہ پروا
در چین و ختا رفت حکایت چقاہاں — بر قاب پلو دست کشادم چہ بہ یغما
تا نانِ تنکم ہست بیارید کبابے — کیں جامہ بود در خور آں قامتِ رعنا
یک بیضۂ مرغے نبود در ہمہ عالم — شاید کہ بجوییم ز سر منزلِ عنقا
شب تا بہ سحر باشدم از فرقتِ انگور — از دیدہ بدامن ہمہ دم عقدِ ثریا

گر پختہ اگر شام خورم نوبت صبح — یاد گوزم بہم اندر شکند سندانرا
اگر از ثقل بسازند مرا زنجیرے — ہمہ عمر بجاں می طلبم زندانرا

تنہا ز بوے کلہ نہ از پا فتادہ ایم — کز سر بدر شدہ است سیکبا ہوشِ ما

تمام سال خورم حسرت شبِ رمضاں — از انکہ از دل و جاں مائلم زلیبیارا
بہ روزگار چہ ما ۔ ہر کہ بے مربی بود — نہ برد لذتِ شیرینیِ مربا را
دو صد ہزار فدک میدہیم شمردہ اگر — دو دانۂ تر فدک آورند خرما را

گرچند روئی سیر ذُبر میخورد می انجیر را　　از قوت بازو بہم بشکستے زنجیر را
دم از طرز عفر می زند در پیش ما تا قابلے　　کز بانگ خر نشناخته زیر و بم کفگیر را

....　　...................................

گہے کہ گندم سہ دانہ ام بود در جیب　　بعینہ در نظرم روز عید نوروز مراست

خلق را گر ہمہ رغبت بہ پنیر میش است　　بیشتر میل دلم با کرہ گاو میش است
بہ ضیافت بہ برد شام گرم ہمسایہ　　آشنائے است کہ بہتر ز ہزاران خویش است
لاغر از کوفتہ گاو چہ گردد فربہ　　شیر در عرصۂ ہیجا بہ برش چون میش است

خاک وجودم ار بینگافند تا بحشر　　ہر چند جستجو شود از قورمہ آرزو ست
آنکس کہ قانع است بہ بوسے طعام ما　　از خاندان آدم خاکی فرشتہ خوست

باحرمت است نزد قرم سید القرم　　چون نزد ماکسے کہ زآل بیمبر است
ہر کس کہ ہر شیم بہ ضیافت صدا زند　　در نزد من بہ رتبہ چو سلمان بوذر است
زردک ہر انکہ سیم رخان میخورد مدام　　زرد و ضعیف و تنبل و در بحر وہ لاغر است
ہر کس کہ خوردہ پیاز فراوان بر وز و شب　　او در جماع با خر مصری برابر است
روغن ندانی اینکہ چہ پردہ سے عدس نکوست　　این نو عروس زشت سزاوار زیور است

....　　...................................

اسپ را دادم و خربوزہ گرفتم خوردم　　حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید　　گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چل صباح پیالۂ خورد اگر کس توت　　نمیشود بجہان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درم ببرد زندگی ز سر گیرم　　ز بد اگر شنوم بوز رشتۂ تابوت
مبیں بچشم کم ایدل انار را ہرگز　　کہ دانہ ایش بود بہ ز حقۂ یاقوت

ہر کہ خاک در تنا کند کحل بصر　　بر سر رشتۂ پشک بہ شب تار رود
ہر کجا قصۂ خربوزہ آید بمیاں　　بہتر آنست سخن از خرد و خرد ا ر رود

نان و پیاز سیر بخوردیم ممسکاں　　ما را کے ارپلو شکمے سیر میکنند

ہر کس کہ خوز د کوفتۂ گاو یک دو شب　　چوں پیل پیکرش بہ نقش فریبی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ　　شاہ بازے است کہ او فرہمائے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرنج　　شیر دو شیزہ صفت شیر بہائے دارد
فرقۂ را کہ بود شلغم و زردک انبار　　ایلچی باشد اگر در طلب سیم و زر ند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع　　از پیاز است مہیا دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان سیب ار نصیب شود　　تمام عمر بپاییم ایں نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مصرع کا لگاتا تو ہے حصہ شعراء کا — سید بھی ہے رد بیت کدہ احسان خدا کا
تمھی سے میاں جی کی بچی جان پر فسوس — تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑاکا
بیٹھا ہے جم کر گدھ کی طرح موذی منعم — ہیضے نے دبوچا نہ دبانے اسے تاکا

اصغر ۔ آپ کا نام سید علی اصغر ہے۔ شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں۔ اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بہ عنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے۔ انتخاب نظم یہ ہے۔

یہ محرم میں ہولی کا تہوار — ہنستی صورت ہے اور دل بیمار
گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم — جب نہ آیا ستم شعار عیار
لگ گئی آنکھ موت آپہنچی — ہوگئی حس مشترک بیمار
روح قالب سے سیر کو نکلی — عالم خواب کی دکھائی بہار
نظر آیا بہت بڑا میدان — عرصۂ حشر جس کا باج گزار
کوہ آتش فشاں زمیں بالکل — دھوپ سے تیز تر آتشبار
ایک بڈھا ضعیف ریشائیل — نظر آیا بہ صورت خونخوار
پیٹ میں آنت تھی نہ منہ میں دانت — جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار
ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر — سر بھی جنباں تھا صورت میخوار
پائے ماندن نہ جائے رفتن تھی — تھی عجب مخمصے میں جان نزار
کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت — بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار
پڑھ گیا چند آیت قرآن — کر کے دم۔ دم میں لایا جسم نزار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے
تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار

حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ
یا ہیں درویش کامل و دیندار

پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ
ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار

ایک ہی لقمہ میں نگل جائے
مجھکو حلوا سمجھ کے لذت دار

بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ
دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار

پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس
دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار

بیٹھ پوچھا کہ کون ہو کیا ہو
اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار

کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو
کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار

بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب
حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار

تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل
نہ کسی حور وش کا عاشق زار

انقلاب فلک کا مارا ہوں
دل یہ اٹھی ہے درد کی دیوار

لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں
اُن کے افعال پر ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں
مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار

وہی کنج قفس وہی فریاد
بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کر کے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے ہمنے چمار کا
پھر بھی نہ حانکنے کو ملا بوٹ یار کا

وہ کھو لکر در مسجد یہ صاف کہتے ہیں
امام آئے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچی شکل اوصاف نہانی کی — یہاں پر آ کے گھس جاتی ہے دم میں عقل بانی کی
شہیدِ ناز کی جب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم — پری نے بیٹھکر نیچے سرِ دوں میں نوحہ خوانی کی

افسر - آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے - آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں - آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا - بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے - تمام اصناف سخن پر قادر ہیں - نہایت سخن فہم - نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے - انگریزی میں بی - اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی - کہ یکایک طبیعت اُچاٹ ہو گئی - اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی - چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں - جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں - انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت وقیق ہے - آپ بہ سلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اُردو کی اشاعت وترویج میں منہمک رہے - آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے - اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں - اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں - مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جاسے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں - اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اُردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

تذکرہ وسعتیں حاصل نہ ہونگی دو دو بینوں سے — خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان مشینوں سے
یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے — یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب بنتے ہیں بنتے ہیں ۔۔۔ کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب کرنے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا ۔۔۔ سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر ۔۔۔ شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوادیشیوں سے تنگ کر ۔۔۔ ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی ۔۔۔ ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے ۔۔۔ مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے ۔۔۔ یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پر شکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں۔ مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی۔

افسق۔ میر غلام حسین نام تھا۔ برہان پور کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں۔ مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا "اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است از بسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی منماید۔ اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است۔ کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد۔ دریں ایام او راقم الحروف ارتباط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت۔" یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ

لکھکر عنایت کردیا تھا دستیاب ہوگیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۲۹۳ھ تک بقید حیات تھے۔ کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ افسق صاحب کے ایک مقطع سے ان کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس لیے ۔۔۔ ہے فیض بسکہ زانیؔ عالم نواز کا

دیوان میں سب اصناف سخن۔ رباعیات۔ ستزاد مخمس۔ واسوخت۔ اور ایک مثنوی گنجیفۂ آفاق بھی شامل ہے۔ مثنوی چارکمان۔ مکہ مسجد۔ چوک میدان۔ دائرہ میر چادرگھاٹ۔ چار محل۔ اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان الامال ہے۔ تاجو۔ رحمت۔ حبشی بیگم۔ جمیلہ تاج النساء۔ لالن۔ بی جان۔ حیدرا زہرہ۔ گلابو۔ بنا جھنا کے نام جابجا دیوان میں نظر آتے ہیں۔ صفحہ کا غذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے۔ اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانہ موجودہ کے مصالح ان کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پرخچے اڑا دیتے ہیں کنایہ اور استعارہ کی صف سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں۔ وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علیحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوئے نظر آتے ہیں غرضکہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلوپیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے۔ مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے۔ سرنامہ دیوان پر۔ جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہوجاتی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کاپیوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کان پور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

قطرۂ آب... کو دیکھ بولے در فروش
ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب... کی آب سے
چہرۂ گوہر پہ ہے باقی ہنوز

جب اے تجبہ کل تجھکو سمے کے نشے نے چمن میں خرد کے خیابان سے کھینچا
ادھر سے بہار اور ادھر سے جنوں آکے دونوں نے تجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سیندھی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں۔

آجکل ہے دور سیندھی کا رکھے حق آبرو
ہے مدد گردون دوں کی مال والوں کیطرف

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں
بھڑووں کو نت میسر شال اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی
اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھ سے اے تجبہ بہار اب ڈھل گئی
مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے
غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجبہ تو سچ کہہ
یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے
کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا بو
گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلا بو

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے۔

اقبال - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی-ایچ-ڈی - بیرسٹر ایٹ لا لاہور کا تخلص ہے - آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں - آپ کی شاعرانہ قوت مشق - فکر صائب - تخئل - جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل اور در حقیقت اردو فارسی نظموں میں آپ کو یدطولی حاصل ہے - چونکہ آ

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں ۔ اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے ۔ کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا ۔ انتخاب ملاحظہ فرمایئے ۔

مشرق میں اصول دین بنجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بنجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بنجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہوگئے
وعظ میں فرمادیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہوگئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آئے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو ملجائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا

میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاروں کا

مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر — یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کردیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کیوجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنی درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہوگئے - اور ترقی پاکر ۱۸۶۹ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۳ء میں وکالت کی درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرکے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتداء عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق [illegible] جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر [illegible] تھا - [illegible]ت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا۔ اور باوجودیکہ آپ رنگ قدیم کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر ہوگیا۔ اور اگر بہ نظر غور دیکھا جاوے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں۔ آپ نہایت ہی نیک طبیعت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اسی وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا سرمایہ یا اُن کی ہذیان سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات۔ اُن کے علی الرغم آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح۔ اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔ زوال۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست وغیرہ کا مجلی اور مصفیٰ آئینہ ہے۔ آپ کی ظرافت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ حاصل کرسکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ حق باتوں کی تلخی اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ اور گوارا کردیا ہے کہ اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین طرز ادا اور سلیقۂ بیان۔ چستی بندش۔ نشست الفاظ۔ تلاش معانی۔ ہر جگہ حسب محل و موقع موجود ہیں۔ جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بنگئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے۔ اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کے چند خود ساختہ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے۔ مثلاً نام چمن۔ گھورن۔ کلو۔ بدھو۔ تمنچو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں میں پیش کئے ہیں۔ اسقدر خوشنما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے۔ مہمل مہمل ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی تقاریر کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور و غل۔ یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لا سکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کر سکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا۔ اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں مضامین کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بیّن فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا ‏ ‏ جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لینے دے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر ‏ ‏ میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو ہے پلا ‏ ‏ حلوا اپنا رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

لگیا شرع سے شراب کا رنگ ‏ ‏ خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چلدیئے شیخ صبح سے پہلے ‏ ‏ اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلّت بادہ پہ ہو گیا فتویٰ ‏ ‏ خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن ‏ ‏ لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن

الا یا ایہا الطفلک بجو راحت بیجا دلعسا ‏ ‏ کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئین با سے خود بیوٹ ڈاسن و پتلون ‏ ‏ کہ سر سید خبر دار و ز راہ و رسم منزلہا

پردے کا کیا ہے خود اثر نگا پیدا ‏ ‏ خود ہمنے کیا ازار ادا انکا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے ‏ ‏ نیچر نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

[illegible] چلیپا ہوگیا — مست تھا دل پھول کر وہسکی کا پیپا ہوگیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری — نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی — عطا کرتا خدا مجھکو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نسیمہ بایوا — عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دُم

کرزن دو کچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنمِ تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میاں — دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

بچالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑے سے چاولاتا — ہمارے کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا
دماغ کی

سکۂ زر باپوسے در دھوتی گرفتار داشت — باوجودش نالہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست — گفت مارا خوف قیس و ٹیکس ازین کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ — اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرق برق بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر — چشم بد دور اب بنے ہیں آپ بکسر یٹ کے اوٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے دھن — اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے دھن
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے — گو اُسمیں بھی صبح کو نہانے کی ہے دھن

تمد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر — پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرے اکبر — شائد پڑ جاے اُن کی رغبت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ — جو ہنہنایا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی — نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہو کر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز — بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیے ۔ مرا قصور حضرت جو معاف — جو امر ہے واقعی گزارش کروں صاف
بس نماز روتے سے مجھے — لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے
نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم
مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم

حسرت عشاق بازارِ جہاں میں کچھ نہ پوچھ
از مہیا در ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے میں بھی بتاتے ہیں
کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت
ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ
گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں پائیں
املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑے گنگناتے تھے لالہ تر بجن
نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن

چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے
کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے
اونٹ کے سولقات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض
کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں
بزا خفش تھے قبل اسکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں

تہِ دل سے ہم کوستے ہیں مگر
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے
لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

کریما بہ بخشائے بر حال بندہ
کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں
دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبانِ اکبر کی اس طرزِ سخن پر ناز کرتی ہے
بھجن کی دھن میں تردید بتاں طناز کرتی ہے

تدبیرِ حفظِ جان بتقیہ ضرور ہے
اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی
وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے — اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی — ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پہ گرا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند — شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی — ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی — کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے — اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے — یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے — مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا ماٹکسا ہے

کاش کر دے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور — کیک تو روز ہے اک رات تہجن بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے — لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی — یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن — ازار بند کو کھ دیں گے جس سے پیچا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹی کی — چلی جاتی ہے گستاخی لفنڈے خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دست جنوں تار گریباں ہے کہاں — پانچ ہزار دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا — ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی — چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

جتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا — پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

رشتۂ در گردنم افگندہ سیٹ — می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال — کہا میں نے صاحب سے با صد ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ — وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر
اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو
بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں
کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں
چو دُم بر داشتم لیڈر برآمد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی
عاقل ہیں مکرمی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیرونکی پرستش بھی ہے فرض
ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل
خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر
صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے سجاے کو کڑوں کوں
مرغ شاخ درخت لاہو تیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف
شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جیب میں
ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر
انکی مرغی بولتی ہے کمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

بسے برگڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

چرخ نے پنشن کمیشن کہدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ
اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

کہتے ہیں بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں
کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرح بدنام ہیں
بیشک بدہو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں
بوسے مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

شرط یہ ہے فلک سے صلح آخر ہو گئی
قبریں مہیا وہ کرے تزئین اونکی ہم کریں

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غرب — اس نئے دور فلک کی چاند ماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

ضبطی پرچہ توحید ہوئی خیر یہ ہے — قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج — ڈر گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دہن دیس کی تھی جسمیں گاتا تھا اکثر اتی — بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاتی

شانِ نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے — مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے بنیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامے سے باہر ہے یہ پاجامے سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

تعلیم انکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو — مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنتا — پاجیوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رولی بات ہو — لطف موسم سے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جھومنا ہے　　وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں لیکچر ہے

الانسان ضاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار رہتے - باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں - صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے ۱۹۱۰ء میں جب کسی یورپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا - جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی ۔

بیڈھب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں　　سچ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو رُو سیاہ
کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہم پہ حکمراں　　جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی ۔

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالار بزم میں　　کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے
وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے　　اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے
وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں　　ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے
آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی　　پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے
انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجویٹ　　انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے
مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام میرا اسیر　　افلاس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے
تصویر میں ہے اُن کے اگر آم رس بھرا　　یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

. . . .

بندۂ خدا وہاں ہے یہاں بندۂ خدا　　دینِ مسیح راست ہے اسلام جھوٹ ہے
ناول ذرا سے سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں چھپے　　مطبوعِ ہند قصۂ گلفام جھوٹ ہے
کہتے ہیں وہ جو آنکھ کو استارِ عین صدق　　کہتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

. . . .

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب
گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے

ادبار جبکہ آگیا سب عیب آگئے
آغاز جھوٹ نیز سر انجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الاالسان قہا جک صاحب کی مچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

بادش بخیر آکے اجل نے مٹا دیا
گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے

تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع
بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے

گھبراتے تھے ولایتی جگر کی سیر سے
مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے

مجلس میں ان کی پورٹ نہ وہسکی قرابیں
سیندھی کے موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے

شائستہ لیڈیوں کا نہ مطلق تھا دل نشاں
ہاں تھے تو لولیوں کے پتے تھے سراغ تھے

باتوں میں چوچلے تھے طبیعت میں شوخیاں
روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے

کس نے کہا کہ تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ
وہ تو الٰہ دین کے طلسمی چراغ تھے

الست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ بھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک
تم شہر کے لیڈر مالک

تم اعلیٰ افسر مالک
تم مولوی مسٹر مالک

تم خان بہادر مالک

تم ہوشندر مالک
تم پورے بندر مالک

تم تیز مچھندر مالک
تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ　　تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ　　تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو　　تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو　　تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے　　ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے پچھلے کے پھینے　　ہو مدہوش شاہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی　　ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی　　کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے　　تم کبر و رعونت والے
پھٹکار اور لعنت والے　　صہبائے جنوں کے متوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا　　تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گاڑو پٹھانی جھنڈا　　تم یا بھلو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو　　تم گوری میڈم رکھو
تم نیزہ بلم رکھو　　تم ذکر یو دم رکھو

تم خان بہادر مالک

المست شرابی آیا　　تم بھاگو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپ ہرّا گایا　　یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید - تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا - جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا - مگر ایک عرصہ سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے - آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں - آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے - آپکو سلسلہ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے - مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا - اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں - اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں - آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا - مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں - وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے - مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں - اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے -

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۰۸ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفۂ سال نو اودھ پنچ کو پیش کی تھی ـــ

مشفق من کیجئے کیا عرض حال — شامت اعمال کا سنئے مآل

زن مریدی کا برا ہو کیا کہوں — جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوں

زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال — ہے کسی کا شعر میرے حسب حال

حکم جورو جی بہ از حکم خداست — انچہ جورو جی بفرماید رواست

سنت شارع سمجھکے بے صلاح — اک عقیفہ سے کیا میں نے نکاح

وہ نکاح سنت خیر الورا — میرے حق میں طوق ذلت ہوگیا

حال من از دست بانو ابتر است — در گلیم سنت پیغمبر است

بے اجازت جورو صاحب کے کہیں — میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار — خودسری سر پہ ہوئی میرے سوار

جلدی جلدی نوش کرکے میں ٹفن — کوٹ اور پتلون کرکے زیب تن

رکھکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی — فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی

جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا — گھر میں سے سیٹی بجاتا چل دیا

کی ہوا گشتی بہت بے فائدہ — جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ

صبح سے القصہ لیکر تا مسا — دربدر کی خاک میں پھانکا کیا

اب خیال آیا کہ کیا کیجے علاج — میم صاحب ہیں نہایت بدمزاج

وہ جو پوچھیں گی کہ تھے اب تک کہاں — کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں

کچھ جو آئیں بائیں شائیں بک دیا — عذر بدتر از گنہ ہو جاوے گا

میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی — وہ جو بگڑینگی قیامت آئے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں — جان تھی نیچے دروں نیچے بروں
دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا — اک مجسّم دیو آتا ہے چلا
کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر — ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر
جب مرے نزدیک بالکل آگیا — میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا
دل تم آیا ہو کہاں سے کون ہے — پوچھ کیا لاداہے میں سے ڈون ہے
وہ لگا کہنے لکن اسنے خواجہ گوش — من ز کابل ہستم انگور ہ فروش
سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا — اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا
عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ — ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ
لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر — ہو بچے خوش خوش تا در نکبت اثر
چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا — سامنا چوہے کو بلی کا ہوا
گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر — دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر
بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈھینگ ہو — دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے
دل جو دال ماش کو چاہا مرا — جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا
اتفاقاً ایک آغا کابلی — مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی
ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں — ان کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں
کہکے اتنا گھر میں یا خوف و ہراس — الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس
چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے — ہینگ دینگ ان سے نہ تھی لینا مجھے
بیٹھکر کہنے لگا میں انسے یوں — پیچھے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں
ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا — یہ ہی کیا اور یہ ہی کا کیا شوربا
رہ کے دنیا میں ترقی سیکھئے — حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے
چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک — کیوں ہوئے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کرکے ہمت کسب کوئی سیکھ لو — نفع جس سے تاکہ اوروں کو بھی ہو
آجکل جاپان ہے حرفت کی کان — جس نے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر — زندگی بھر چین سے کیجئے بسر
سنکے یہ باتیں وہ کاہل کا گدھا — یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا
کے خرجی انگوزہ را وہینگ را — خر چہ داند شاخ راؤ سینگ را
ہینگ باشد دافع درد شکم — ہینگ باشد نافع ہضم اتم
ہینگ باشد حیلہ علت را دوا — ہینگ باشد نوش ونیش جانفزا
ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود — قدر دانش بو علی سینا بود
ماش را روح روانے چیست ہینگ — قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ
بگزراز جاپان واز جاپانیاں — قید صد ایجاد واز زندانیاں
جاہل اندازدال ماش وانگزہ — مے ندا نند ایں غذاے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں — مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر — رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل — باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں — چوروں کو اپنے شوہر پاؤں میں
عشق میں اک آسماں رفتار کے — آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے — کاٹتے ہیں شب کو بچھڑ پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے — بھات اچھا ہے ماش کی کا ماس اچھا ہے

مطلب تو زین سے نہ لیٹھے سے غرض　　　　گارڈھا ہو تو یہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھاے گئے　　　　آپ ایسے گوکہ اپنی ہی گاے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راے　　　　جب مانڈلے لالہ جیت لاے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں　　　　لیکن تجھسا بھی کو منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبو ئی بنکے میکش دیکھا　　　　بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر　　　　تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستانِ بےخزاں　　　　قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھسے یہ کہنے لگا　　　　آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلیے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام　　　　پوچھیے اُن سے کہ یہ لالہ مرے استاد ہیں
پھر بقول ہوس اس کافر نے لالہ سے کہا　　　　آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسپیچ بھی　　　　ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کر ڈالوں تجھے　　　　کیوں قضا آئی ہے تیری کیونکے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بکڈپو کے منیجر نے یوں کہا　　　　کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو　　　　کشاف چاہیے نہ اشارات چاہیے
اک جج حضور خان بہادر کا ہے یہ قول　　　　صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیے
غالب کی پوچھیے تو مقولہ ہے انکا یہ　　　　اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
مجھسے جو پوچھیے مے و معشوق کے سوا　　　　امید سب سے ترک ملاقات چاہیے

انشا - سید انشاء اللہ خان نام تھا - حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلّی کے رہنے والے تھے - مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی - ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے - انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی - اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی -

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا - انشاء کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا - مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان امڈا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلّی آنا پڑا - مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کا بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا - بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی - مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں - یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو - اسی بنا پر انشاء کو بھی داخلہ کا شوق چرایا - چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں - دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے - پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کرکے چار و ناچار چند روز نباہی - اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش طبعیوں - گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا - اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا - لکھنؤ اسوقت آج کا لکھنؤ نہ تھا - گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا - ذرہ ذرہ میں فیض رسانی مہمان نوازی کی صلاحیت

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم و فضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمامتر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پنچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگین کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے -

ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ بہتوڑ شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ رنج بھی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعالی اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی ...

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پھٹا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ چیکوں کا توبڑا ڈالے ایک ککڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا۔ کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تمنیا کو نکالا اور اپنی چلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں۔ اور گڑگڑی سٹاک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اسکی بات مانی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ سب صاحب آجائیں تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں۔

مولوی عبد الحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعراے دہلی سے معرکے رہتے تھے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخۂ انیس الاحبا، مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہی کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ تکالیف میں گزرا۔ اور انھیں صعوبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر کبھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ اَب بھی دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خلاف ہے تو صرف اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا۔ کہ بجز ظرافت ہیچ صنعت را بطریقہ راسخ شعرانہ گفتہ۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔

ن ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات
با میں ظرافت کے دریا بہائے۔ کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی زنجی کو

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے۔ بعدازاں ماڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے
بہرصورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔
مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم
ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی۔ ان کا
وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں
کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا
مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آے کوئی غلطی سرزد ہو
معاذ اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ
عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں۔

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور گرمی کیوجہ سے صافا۔ یا پگڑی
علیٰحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک
ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری
بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے
شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی
کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جاے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی
صاحب نے فردحساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا۔ نواب صاحب نے کہیں
دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دیئے
نواب نے انشا کو اشارہ کردیا۔ انشا نے یہ رباعیاں نظم کرکے پڑھیں۔ اور غریب
مولوی کو دیوانہ کردیا۔

اجناس کی فرد پر ہوا اجنا کیسا   یہاں ابر لغات کا گرجنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز آگے　　لیکن یہ نئی اپج اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے بجنا لکھئے　　اور لفظ خرد خیا کو خجنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھئے ہوتے لکھنا　　ڈر کرکے رغم اس کو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب　　قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپج لے لی ہے　　اس تان کے بیچ کا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اخبا آیا　　سلیاسے علوم کا یہ سیجنا آیا
اخبا چیزسے ست کال بردید زدیا　　یہ تخم لغت کا لو اپجنا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آسے - پہرہ لگوادیا تھا
مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا - آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے
سامنے جا کھڑے ہوسے - نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آسے - اس پہ
ذرا تیوری پر بل آسے - انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا -

میں تو کہتی تھی نہ رکھ اے مرے پیارے روزہ　　بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جارہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی

حویلی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں
فی البدیہہ کہا -

نہ عربی نہ　　ترکی　　نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی

یہ تاریخ کہی ہے کس لڑکی — حویلی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی انشاؔ نے صلہ میں پانچ روپیہ دیئے اور کہا ۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت — دل من سوخت سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہوچکا ایک مرتبہ ید کو بہ تشدید لکھا ۔ انشا کو ایک سامانِ تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا ۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرّا — کہ چوں ذہن او ذہن رسانباشد

یکے شعر نادر کہ در چند وزن — شود خواندہ و شک بمعنے نباشد

دراں لفظ ید را بہ دال مشدد — نوشت است وایں غلط اصلا نباشد

شنید ایں سخن را چو گرد سخن — ز انشا کہ ہمسر سش اصلا نباشد

بگفتا کہ من شاعر خشّ فکرم — چو من ہیچ مقّل گو یا نباشد

تو گلّستاں راندانی درست — ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد

سندیاد از استاد است مارا — بہ کلام ما ہیچ خطا نباشد

چو تشدید در شعر ضرّ درت افتد — تشدید صحیح چیزا نباشد

گیان چند ساہوکار کی مارواڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے ۔جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے ۔ بھڑوں کھٹملوں وغیرہ کی ہجووں میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں ۔ مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی اُلجھے وہ وہ ادکھیاں کہیں کہ توبہ ہی توبہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے ۔ انشا کے لئے کوئی ہی فرد نہ تھا کہ وہ حیب ہزل ۔ یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تبھی ایسے شعر لکھتے نہیں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا ۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا وہ چار شعر

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھئے:-

لیا کر عقل نے منھ میں دل بتیاں کا گٹکا
تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سیماب کا گٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت رنا تو رس کا جوڑا
لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

ملے پارے سے جوہر تال کر کے راکھ کا جوڑا
تو تانبے سرجی انگلیں کوئی تو سے لاکھ کا جوڑا

نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تاسیح اس جی صاحب
لگایا ہے جو اک بھوترے سے تنے آکھ کا جوڑا

لپٹ کر کشن جی سے رادہا یہ ہنسکر لگیں کہنے
ملا ہے چاند سے اسے لو اندھیرے ماگھ کا جوڑا

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانہ کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو جنت بیٹھے ہیں ادہا کے کنڈ پر
ادہار ہت کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پہ

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگاں سے اشک خونفشاں کی سیدنی
جیسے بہرایچ چلے بالے میاں کی میدنی

رات وہ بولے مجھے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں منہ چڑا اور آپ ہیں مقطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے
یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

ڈر و دہشت کی وہم و دام سے تم
وہ تو ایک دیونی دھنگی ہے

جوگی صاحب آپ کی بھی واہ
دھرم مورت ہیں کھٹانگی ہے

چشم بددور شیخ جی صاحب — کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجئے کہ کیا آج کام میں نے کیا — جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا — جب دہم سے آکہونگا صاحب سلام میرا

ہیں روز حسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر — نام خدا نگاہ پڑے کیوں دہ ڈنڈ پر
تعویذ لال ہی کے نہ پھریئے گھمنڈ پر — اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈنڈ پر
یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے — بچے بچے کہیں رہے آفت ا رنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو دہیں — فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چوتھے کھنڈ پر
وہ پہلوان سادہ لب جو پہ ڈنڈ پیل — بولا کہ کوئی عشق تو ہو ایسے بھسنڈ پر
انشا بدل کے قلیے رکھو چھیر چھاڑ کے — چڑھ مر بیٹھ ایک اور بچھیڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راہ کے کنڈ پر — بنکر مہنت گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ — عاشق ہوے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پہ

جو چاہے تو مجھسے ہنسوڑے کی خیر — تو یوں دیکھ اس لگوٹے جوڑے کی خیر
کرا دے لنگے کے مرے رخش کو — میاں ساقی اس سلفے کوڑے کی خیر
ہنسایا جو میں نے تو بولے نہیں — نظر آتی کچھ اس تنگوڑے کی خیر
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک — ارے اپنے سونٹے کی تو ڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے۔ ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلّی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے — جو حال ہوگیا ہے اس پاپتوں کی تلی کا
مجھ سے نہ آڑ زنا خی تو رات کو کہیں تھی — چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا
انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں — ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا سے کہی — منھ دکھاوے نہ خدا آپ سمجھاداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ یاد کرے — جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا — ہے جسکے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھکو ہے لپیٹتی — ہے ہے تری گلہری کیا مانگتی ہے پیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہول اٹھی — لگجائے آتکے منھ پر اُنہ غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنسکر کل وہ پری یہ بولی — کیوں تمنے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

کروں بستار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا — دماغ آکر انھیں میں پھنس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سننے لگا ہے ٹوہ میں میری — ہوا دربان کا لڑکا ملیدہ وہ مچھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر بات چیت اس تک پہنچی — دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

مجھے پکڑا نہ تھا انشا سے میں نے بات کرتے کل — مگرنا۔ کام ہے تیرے یہاں تو بیچیائی کا

چوٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دوگانا — کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر دوگانا
جیتون تری لیس دیکھتے ہی یاد پڑی ہے — دلّی کی وہی جہیل وہی نہر دوگانا
توج ایسے کہیں اور ہوں گھر کھوج مٹے لوگ — سب تاڑ گئے ہے یہ ترا شہر دوگانا
میں تجھسے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا — اللہ رے تو ہے بڑی قہر دوگانا

اڑ گئی فاختہ کیوں سر پہ دم دیتی ہے — اجی اسکا نہ کچھ اچھا مجھے کھٹکا لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہیں بہت سا لیکن — کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندوالا
اپنے کوٹھے پہ کچھ اسطرح سے زتیلا کہ مری — لیگیا جان اڑا ایک کبوتر والا

ہے یہ سنجی کونسی منزل انشا اسکا نام بتا — ڈر سا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تجھے پہ بیتی کہانی تو بنتڑی آنا — آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی آنا
چاپلی ٹھیکری اک ٹٹ بوندھو کے لادیجیے — اپنی میں رگڑا کروں پاؤں کی ایڑی آنا
کٹ زنانشہ سے ہوئی دوستی اچھا تو ہوا — کٹ گئی یعنی مرے پاؤں کی بیڑی آنا
نہیں سنکا لیا تو نے تو پھر انشا نے — میرے دروازے کی کیوں چول اکھاڑی آنا

اپنا جوڑ دکھاتا ہے ہمیں زور نگوڑا — صدقے اسے کر ڈالے در گو رنگوڑا
میں پیچ پڑوں کیوں نہ جو لے انگلی میں اپنی — ڈالے مسل انگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسایہ [illegible] ہوئی کل رات کو انشا
گھس اسکے زنانہ میں گیا چور نگوڑا

تو قیامت بے شری ہے حد بُرا تیرا اگلا
خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا اگلا

کیوں پڑا نہ لکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا
ہے تمہارا روپ ایسا جیسے سوتے میں ڈلا

دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں
واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا
بی بی ہمسائی نے دی جیبیں مرے آگ لگا

نہ بُرا مانے تو لوں توج کوئی مٹھی بھر
بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا

شوق سے سونگھ لے انشا مرے بو بالوں کی
دے چنبیل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

کمبخت ہے وہ کام دُگانا بہت بُرا
صدقہ گئی تھی ہے یہ زمانا بہت بُرا

دلسوز ہے دوامری پر اُس کا ہر گھڑی
لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو آکتی نہیں جائیگی مرے عیبوں سے
اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا
ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے
ارے او تھر کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کھچڑی سی سہو تمیں جس سے
اسکی ابتک نہ گلی دال نہ جیا نول کسکا

ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا
چوٹھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا | کوئی سادی سی مرے واسطے لا ری انگیا
گو کلر و لہر بنت ڈاک ستارے کیا چیز | اس سے ہو جاتی ہے کمبخت گنواری انگیا
گیند اک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر ان نے | کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا
بی بی مغلانی جو سی لائیں تھیں آئی نہ پسند | بیگما جی تے وہ سراون کے سے ماری انگیا
جیسیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دے ڈال | چھلا میں کیا کروں لگا اے ترے واری انگیا
اوڑھنی مجھ سے جو بدلی تو اجی باجی جان | وہ بھی اک دیجیے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا
کتنی عجب کوئی سگھڑ جیسے یہ کاڑھے بوٹے | وا چھڑی بنگئی اک پھولوں کی کیاری انگیا
ہاتھ انشا کا کہیں چھو جو گیا تو بولیں | تیرا مقدور کہ تو چھیڑے ہماری انگیا

سیل کے کونڈے ایسکے آج ہیں کیا اسے دوا | ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

تنے جو میرا اوڑھا دوپٹہ ہے یہ دگانا بات کڈھب | لگتا ہے اسمیں دونوں کو بٹہ ہے یہ دگانا بات کڈھب
ایسی نہ چالیں چل تو ری ری جا دھری جو لوگ کہیں | آپس میں ہی ان کے سٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب
خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر جا بیٹے کوئی بڑھا سا | انشا تو یہ ہٹا کٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب

کوٹھے پر سیڑھیوں میں یا کہ منڈیروں سے ادھر | صحن میں ڈیوڑھی میں یا اور کہیں منھ سے پھوٹ
سر ہلانے سے بھروسہ نہیں پڑتا کسو وقت | کسیجگ کب وہ کدھر یاں کہ وہیں منھ سے پھوٹ

بس بلائیں مری نہ لے چٹ چٹ | اے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ
وہم ولا سا عبث نہ دے آنا | چل پرے دور ہو پرے بھی ہٹ
چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا | جیسے ہی اس کے پانوں کی آہٹ

میں ترے کو صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ   مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ
لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس اور ذری   ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
چیخ چنگھاڑ مچاتی تو ہوئی انشا سے نہ مل   ہٹو اب منتیں کر کے تری ہاری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں   پاجامہ کچ ہے برف ہڑادلا ازار بند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا یہ رات کو   دہ گچھے دار آپ نے توڑا ازار بند
کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا   کم ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازار بند
انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے   دیجے گر تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اچھا یہ نکیلا ازار بند   لیکن کسی کا تو ہچ ہو ڈھیلا ازار بند

اے دگانا مجھے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ   تو کیا گر آج سے تو بھی ہیں اک اکیس ڈنڈ
جو یری مہندی لگا وے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں   لوٹتی کیا کیا مرے ہو یہ موئی شاہشتل ارنڈ

جو مجھے لڑکے سو الٰہی کرے   موت سے سوتے کو اپنے کھاوے پہاڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول   ارے او بے سرے نگوڑے کواڑ
لے چل انشا مجھے کھجور تلے   یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

گما نے جو کیا جھکسکے سلام آ تو کو   آغا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز
پھلنا سچے اور دودھوں نہانا ہو نصیب   بیاہ ہو سوئیکے سہرے سے تری عمر دراز
یہ بڑی شرم کی ہے یہ بات   گھٹ گئیں نطفے سے انشا کی تمہاری بی جاز

ہے جو دروازہ دوگانا کا کا — اس میں بن چول کاکواڑ ہے ایک
اس کی زنجیر بھی نہیں لگتی — آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھجک اٹھی لیکے انشا نے — کہ کل چبھو دی جو میری ران میں لونگ
اری بی ایک ہی عیار ہو تم — کہ ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں — جو نہ سمجھوں گی زنا خی جان تیری بولیاں
کیا یہ چھڑ خانی کی باتیں آکے ہمسے چھیڑیاں — سیکڑوں جتنے یہاں رگڑا کیے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہولی کھارو — نہ مجھسے کرو بولی ٹھولی کھارو

ہاں وہ لایئے کمبخت جو جیت چاہی ہو — اجی بس جاؤ بھی کچھ تم تو بڑے واہی ہو
پھر جو بدل اٹھوں گی کچھ میں تو یہ طعنے دو گے — قہر ایسا نہ کرو تم ابھی ین بیہ بھی ہو

تم بڑی قہر ہو اسے باجی جان — نوج تم سی کوئی چھپتی ہو
اسے دوگانا تری مشغولی کو — چیز اک موم کی بتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں بڑی بولی ہو تو — اسے دوا قربا دکشش بڑھیا کی ہجولی ہے تو

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کہتا ہوں — نہ رکھے بات کچھ جی میں بھری ہو سو اگل ڈالے
فضیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا چاہیے — بڑا دانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو مل ڈالے

بڑائی میرے پھٹنگے پر خدائی رات میں میں نے — پڑے ایسے بہت سارے کڑاہی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے پھپھیڑا اک جو ہے تاکتا سا پھرتا — میاں دا اسے دوا جی وہ کہیں تمکو کہیں دل ڈالے
غلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھڑا دیں — نگوڑی باؤلی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے
وگانا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہنچا — کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لا کے پھل ڈالے
اری تو ابلی ہی پڑتی ہے ملے جھل کے اور تنڈی — خدا ایسی بھی دید و نہیں کیسے تو رج جھل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو یا نگی پریوں نے پچھاڑا ہے — نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں — ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آ رہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچ کچا کو کل اُن کی ران کاٹی — تو اُس نے کس مزے سے میری زبان کاٹی

یوں جھجکا مجھ کو کوئی رات کا جاگا جیسے — تم تو وہ جاگتے ہو سوئیں ہیں دھاگا جیسے
یونہی ہر بات میں بولا کرو سکڑ سڑدا — ابھی آ غا کو بہک کر کہا آ گا جیسے
ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھائے انشا — مجھے یوں رات ملا ہو کوئی تاگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا — میری چھاتی جو چھوئے اسکی ہتھیلی جل جائے

پڑ گیا نیل مرے گال میں کیسا قہر ہوا — ارے کمبخت نگوڑے پڑے تجھپر چٹکی
ہو گئی ران تو سب لہو لہان اے انشا — دیکھ میں چیخ پڑونگی تو مرے لے چٹکی

[illegible] اے کنڈی اپنا انشا کو بلا — ڈر رہا کیا چاہئے وہ یان اپنا کیا تجھے

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی | ابتو نیت بھی اکھڑ ہی باجی باجی
اے لو اس کوٹھڑی میں ہیرے ڈرانے کیلئے | اک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہیں حاجی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی ہی مسلسل کی اوڑھنی | لادے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہیئے بھلا | بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کو کا جی دیکھیو میرے دگاتا یہ کیا بھبی | پشواز اودی اور چلا جھل کی اوڑھنی
انشا کے سونگھنے کے لئے اُن نے بھیجدی | جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں شاندار بھائی تیرے | صدقے قربان جائے دائی تیرے
وہ چال تو چل کہ نام رکھے کوئی | بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے | گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے | بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانکا تو نکر عبث فضیحت ہوگی | آتو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
چالیں یہ چھوڑدے نہیں تو ناحق | اک روز بڑی بڑی فضیحت ہوگی

انعام ۔یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سارن کے رہنے والے ہیں ۔حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے ۔عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں
آپ کے چند شعر دستیاب ہوئے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے
ملاحظہ ہو۔

سندھیے شلوار زر ہم سکہ زرتار داشت | باوجودش نالہ ہائے زار دراخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست | گفت مارا قرضۂ بقال بر این کار داشت

سیٹھ اگر بنشست با ما نیست جائے اعتراض | مالک ہمیان زر بود از گدایاں عار داشت
بنگرید این تنگیٔ حال مسلمانان سندھ | شیخ [illegible] خود رہن ساہوکار داشت

حدیث [illegible] | [illegible] شاید بحکمت این معما را
من از آں [illegible] داستہ دائم | کہ قرض از کیسۂ سندھی بر آرد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں [illegible] شہر آشوب | چناں بردند سود از مالکہ ترکاں خوان یغما را
سمن [illegible] اک قلم نکو کردی | ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

[illegible] بقال با سیدا راتند | خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار اتند
چو صبا درد یار زہند بہ بیں | کہ از تطاول بنیا چہ سوگوار اتند
بچ و مرآب و بدہ شد غماز | دگرنہ قارض و مقروض را تہ دار اتند

نوری۔ محمد او حد الدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ابیورد میں بدہند ایک گاؤں
کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں
[illegible] نسبت سے اوائل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے استاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا - مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا - اسکا پایۂ فضل وکمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعرا میں کوئی پیدا نہیں ہوا - انوری - فردوسی - طوسی - نظامی گنجوی - شیخ سعدی - انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا - مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا - اور ٥٢٣ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اسکو بلا لیا - اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا - اور آخرکار بلخ میں پہونچا - چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا - اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا - لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی آزردگی اس شہر کی ہجو کہی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے - بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی فتوحی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کردی تھی - مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا - اہل شہر اس قدر بگڑے - اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا - اور داڑھی نوچ کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا - بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی - سچ ہے بد اچھا بدنام برا - لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی وکوشش سے ان کی جان بچ گئی - مگر تب انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر وشاعری سے پرہیز کرلیا - اور آخرکار ٥٤٧ھ میں بمقام بلخ وفات پائی -

انوری شعر وشاعری میں شہرۂ آفاق تھا - اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مد مقابل نہ تھا - خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران وامثال میں سب سے زیادہ تھا - اسیوجہ سے ہزالی - اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا - اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی - اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے - اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت ، ہزالی - اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچی ہے - مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

میں ہے۔ ملاحظہ کیجیے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجایے — کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت

گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی — تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوے دشت — چند زن بیروں شدند از مہتراں

چوں بصحرا ساختند ماندند دیر — چند خر دیدند در صحرا چراں

زخرے بر مادہ خر رغبت نمود — بر مثال عاشقاں با دلبراں

با عمود یک گز و نیم آبنوس — گادنی میکرد بر رسم خراں

کہ فرو می برد گہ بر می کشید — تیر می افگند و میکرد عان عاں

زاں زناں یک زن آں گادن بدید — برکشید آہے و گفت اے شوہراں

گر جماع اینست کایں خر میکند — بر کس ما می رینند ایں شوہراں

ز عیم خیرہ را ریشے است بر گرد دہن ناں — کہ گوئی عنکبوتے بر کس گادے تنیدستے

[illegible]ے دارد گل دہر جاگو سے رستہ دو [illegible] — مگس گوئی باطراف کدوے خشک بدستے

[illegible]ے ناف چوں [illegible] درادل سر بریدش — دریغا گر بجاے ناف ادرک اں دریدستے

[illegible]ور دو بہ مردی ہنر آموخت — در دور قمر گو بہ نشیں خون جگر خور

[illegible]ی بردو بیاسے بزرہ پوش — یا مسخرگی می کن و حلواے شکر خور

[illegible]ج نے تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ ادر
[illegible] میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون لکھوں - اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے
گھنٹوں پہروں منہمک اور سرگریبان رہتے تھے - پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا
اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے - جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جاکر سناتے - اسوقت کے لوگ
مہذب تھے کسیکو آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منھ پر ایک لفظ بھی ایسا
کہہ دیتے - جس سے توہین پہلو نکلے - سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہجاتے - ذوق
غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے - اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے -
ادھران کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے - اسی لئے
ان کی مشیخت آبی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہوجاتے اور یا برابر داد دیتے - مرزا غالب نے
جب اردو کا دیوان تمام کردیا تو آزاد مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا -

دیڑھ حبز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب   غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کا فر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں - تم تو شعر کے خدا ہو -
ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتھنی انعام دی -
چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوے انھوں نے شعر کہا -

جھنوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے   نجومی بنکے جو ہتنی کا دان لیتا ہے

دلّی میں شبیرن ایک بڑی نامی رنڈی تھی - خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے
تائب ہوکر حج کو چلی - اورح کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا -

بجا ہے شبیرن اگر چھوڑ دلی حج کو چلی   مثل ہے نو سو چوہے کھاکے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہوگیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں
وہ کہا نہیں جاتا - چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے -

ہیں مچھلیاں بھوؤں کی جبین پر شکن کے اندر   الٹی ہے بہتی گنگا مچھی بھون کے اندر

دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا   ہے مہر شمع داڑھوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں تحمل جسے کہیں دریائی مری ہے کشتی گل تار جیل دریائی

مجھے اترتی ہے گرد اب آسماں سے وحی ہے راہبر خضر جبرئیل دریائی

میں کالا پانی پڑا ناچتا ہوں ہر شب روز زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی

بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی

چھا ہے مرا اک تار لنگر دم پر مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی

میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی

ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے یہ آب شور ہے دیتا زقیل دریائی

ہے اوج مرد کما دیدہ مردم آبی نکال دیدہ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جیب تھا زر گل کیسہ غنچہ کی گرہ میں بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے مانند حباب خیال اپنا بے پل صراط اتریں یہ ہے کمال اپنا

طفلی ہی سے [illegible] سے الفت سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنے [illegible] کو یاد قاتل سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا

[illegible] میں رونا ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی — مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو [illegible] کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس [illegible] کے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصایح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں

عارفے شد بخواب در فکرے دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از وسے سوال کاسے دختر ۔ بکر چونی با ینھمہ شوہر
گفت دنیا کہ با تو گویم راست ۔ کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
ہر کہ تا مرد بود خواست مرا ۔ این بکارت ازاں بجاست مرا

پسرے با پدر بزاری گفت ۔ کہ مرا یار شو بہ ہمسر و جفت
گفت بابا زنا کن و زن نہ ۔ پند گیر از خلائق از من نہ
در زنا گر بگیرد ت عسسے ۔ بہ ہلا کو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند ۔ گر تو بہ گزار ریش چہا نہ کند
از من و مادرت نہ گیری پند ۔ چند بینی و بار بینی چند
آں رہا کن بگو آب و ہمہ نما ند ۔ ریش بابا نگر کہ تیمہ نما ند

فرج گور است اندراں لحدے ۔ صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو کور افتاد ۔ زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اُٹھنے لگے جہنا سے بخارات سودیشی ۔ تو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں اُنکی حرارت سے نہ تخمیر ہو پیدا ۔ تا چرخ چمکنے لگے ذرات سودیشی
ہیں اجھلب بھونکدیں یا دل میں لگی پانی برسنے ۔ ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
دنیا کے سب کی نہ ملکی ہو نہ امریکہ کے گیہوں ۔ بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

اُس طفل خشت بچت کی تھی خشمگیں نگاہ | ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپیٹ کے بھول گیا مثل نان جو | شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نازنگیوں سے بڑھ کے کچوں کی بہار تھی | سینہ کسی کا باغچہ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے | مرغِ دل سوزاں ہے یہ دام ہمارا

برق - اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱ - اکتوبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۸ء میں ضلع کچہری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پا کر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا۔

گو کہ آپ اسم بامسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر مرزا مچھو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب [illegible] جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسیوقت سے اودھ [illegible] نامہ نگاری شروع [illegible] سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں - اکثر انگ کے لفظ بلفظ ترجمے [illegible] کہتے کہ باید و شاید - بنگلہ سے چار بار بنا بیار

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ ردہنی۔ پرتاب بنگالی دلہن۔ مار آستین۔ مرنالنی۔ سب کے سب بیحد دلچسپ سلیس اردو کے ناول وہی بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔ مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ مشاقی کی ایک زبردست سند ہے۔ ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کر کے صرف بعض بعض نظموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر کہا گیا ؎ اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند۔

کلاہ سرخ ٹرکی وا کیا بر سر نمی ماند — ہمیشہ کوٹ و جاکٹ زیب و زین بر تنمی ماند
زمانہ بر یکے آئین اسے تیجر نمی ماند — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

براندی دائما در بوتل و ساغر نمی ماند — چنیں بید و چرٹ در دست دلبر نمی ماند
بیا ایں بوٹ انگریزی و فرید بر سر نمی ماند — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

چنیں اسپ و سر پٹ میدان تا کجا تازی — ہمیشہ گیند و کرکٹ ہمچو طفلاں تا کجا بازی
مزیب در بدن تا کے چنیں پتلوں بگو سازی — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

براندی تا بکے از ما بگو اسے نیچری نوشی — لباس جاکٹ و پتلون بے کھٹکے چنیں پوشی
برائج کردن ایں رسم لندن تا کجا کوشی — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

کنی گمراہ عالم را بہ ایں پیچ زبوں تا کے — بہ سر فرمن نمودن ایں چنیں خبط و جنوں تا کے
ن بول استادہ بشکل سگ گنوں تا کے — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

خوشی تا چند مغ سر بریده را بدین غبت — حرامے راہنمائی از دلیلِ خویش جیرحلت

خرومی نالداے تیچر بدین عقل بریں ہمت — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

مجاسے سنگما سودے لیڈی را بدیں سیدان — بوقت گیند کرکٹ بید ہٹرک بیتاب گردیدن

چو قرآن و حدیث از تیچری انجیل سادیدن — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر انبردار کہ ہست از خالق بیچوں — کبوتر چوں بجا ایک قدرے ساز دعنبر عوں

جز سِ زدادر دارا دتو یہ کن از یں اکنوں — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج دہج نئی ادا کا — جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ تھر داقت غضب خدا کا

سفید داڑھی یہ کالا جوتا ادر اسپہ طرہ وہ سرخ ٹوپی — بدن یہ جاکٹ گلے میں ہپچی سی عالم اسپہ ہے اک بلا کا

ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جینے ہو وہ مفتوں — غضب کے نقرے ستم کے جیلے اور اسپہ طرز بیاں بلا کا

بہت دنوں تک سے کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے — خدا کے بندونکے دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب خدا اسکا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں۔

ملکِ دکن پہ قحط کی یار و چڑھائی ہے — چاروں طرف سے فوج تبہ کار آئی ہے

محتاج تھا تو ان میں بجلی خدا کی دہائی ہے — کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

بھرتی امید وار ہوں خواہش ہے کام کی
اب سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی [illegible] وار — اڈی بلا کی فوج کہ منھ جنکے چار چار

پورب کھنچے یار [illegible] وار — آتی تھی ہر طرف سے صدا بس بیا بیار

چہروں پہ جھریاں تھیں وہ باگیں اٹھی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک در کھپ آئی کہ اللہ کی پناہ — اوپچے وہ انگریز کہے کہ بھئی واہ واہ واہ
تیور سے آشکار کہ پیسو پہ ہے نگاہ — اسے نہ کچھ خیال بھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے

دوش رفتم سوے بازار۔ کیسے یافتم عیار۔ نہ ہر قید سبکبار۔ بہ تر دیگر گرفتار۔ ز خود رفتہ و سرشار۔ سبک خیز چو رہوار۔ تنش چوں تن زنبور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیجور۔ بسر کوٹ و پتلون بدن شستہ ز صابون۔ رخش زرد۔ دلش سرد۔ تن و جان ہمہ گرد۔ نہ او صاحب ایمان؛ ولے بندۂ شیطان۔ نہ ہندو نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دَوَدُ ہر سمت بصد شوق گہے تحت گہے فوق۔ گہے استاد و شاشید۔ گہے جست و سرائید۔ گہے کھٹو کر دسیٹی گہ چا و گہے کافی و شمپین و برانڈی۔ گہے بیر و کلارٹ گہے پاکٹ گہے جاکٹ۔ گہے شیرے و گہے رم۔ گہے نگہی گہے ٹم ٹم ہمیں فکر بہر دم۔ کشتۂ حرص و ہوا را۔ گفتم اے ہمسر فرعون۔ چرا می شدی ملعون۔ کیسے نیست چہ یارت۔ چہ بود آخر کارت۔ ایں وضع کدام است کہ داری۔ چوں شدز خرد عاری۔ شیشۂ ننگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ تو ئی دیوانہ و مدہوش۔ رہ عقل فراموش بشر علم و ادب دور۔ بہ سے گمرہی مخمور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجانت۔ مکن دیر خدا را۔ گفتہ عدوے ناموس۔ برد ڈام بگر ٹوس۔ ٹم آدمی ہے کالا۔ یو سو کالتالا۔ من صاحب لوگیم۔ فدائی بسر میم۔ صاحب بلبلی تا مم۔ بجہاں شہرۂ عالم۔ زرموزم تو چہ دانی۔ کہ نا قابل آئی۔ بزنم کھٹو کر و تھپڑ۔ ایٹو گڈا میر شکلم روے شما راشہ گفتم اے صاحب اوصاف۔ مزن بیہدہ بکن لاف۔ بہ بیں روے سیہ خویش

بنہ آئینہ در پیش - مشو طائر نقال یزن مفت پر و بال - بجز رلیسکٹ و ہم کیک - مکن ترک رہ نیک - بشو پیرد حسنات - برست از مزخرفات بہ بیں صدق و صفارا -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں۔ بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیٰحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں .. مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ ۔۔۔ مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرجا اور بتخانہ ۔۔۔ گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی ۔۔۔ ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی ۔۔۔ رندوں میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی ۔۔۔ سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کہ کرتے ۔۔۔ اون کی رہتی تھی بی توبہ
[illegible] کروں گا ۔۔۔ توبہ توبہ [illegible] توبہ

[illegible]

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیمک نامہ نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر انکے اور نہیں دیکھے گئے - میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اسوقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا - اب خدا معلوم کہاں گیا - بہر صورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں - میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے - کاش ہوتے تو لکھتا -

جب کہ دیمک کی فوج چلتی ہے ۔۔۔ زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ ۔۔۔ مرے سینے میں دیمکوں کا داغ
ذرے کے دام میں نہیں خورشید ۔۔۔ دیمکوں نے اسے کیا ہے چھید
ڈرے دیمک سے وہ جو ہے بیتال ۔۔۔ یاں تو اب کسکے خصیہ میں ہے بال
لنگکے زیر و لنگکے بالا ۔۔۔ نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی - نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام دام سب بھول گیا شعر یہ ہیں -

حبیب بارہ اگر علاج میخواہی ۔۔۔ طلب وصل جہستانی کن
در شب وصل می پڑد جاڑا ۔۔۔ یک لحاف است اینچا تانی کن
بنئیں کم سشیر سید بسمل ۔۔۔ از تھلی دبتو لسانی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا - آپ پنجابی اخبار نویسیوں میں ایک ابتدائی درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی و ذہین تھے - عرصہ تک

پنجاب [illegible] ایڈیٹر رہے - اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے - ظرافت میں [illegible] جہ کمال حاصل تھا۔ ۱۸۸۱ء میں بعارضۂ تپ انتقال کیا - کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے - غالباً سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے -

کابلی برسرِ پیکار ہیں لو اور سنو ۔۔۔ اُن کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو

جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے ۔۔۔ اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو

شاہ تھیا نہ تو ادرک نہ مصالح موجود ۔۔۔ سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو

دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپ بھی ۔۔۔ جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو

ہم ترے مولوی تھے آج طفیلِ سرکار ۔۔۔ پنچ میں صاحبِ اخبار ہیں لو اور سنو

جیب میں نامے پڑے رہتے ہیں ذاتی کے مدام ۔۔۔ آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا - شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا - اکبر آباد کے رہنے والے تھے - حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر - اور سودا کے معاصر تھے - مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے - اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے - مولوی عبد الغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے - یہ صحیح نہیں ہے - پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم یکایک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے - آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آگئے تھے - یہیں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے - اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خوش مذاق [illegible] طبیع تھے - اس لئے انہیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح پھونک دیتے تھے [illegible] بہت مہذب ہجووں کے دو چار شعر لکھتا ہوں -

ایک [illegible] میر نے یہ شعر لکھا -

وے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں　　سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقا نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے　　دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں　　ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا　　اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو
ایجدا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے　　اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تربینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر　　اسمیں ہووے جو نام شاعر کا
لیکے دیوان پکارتے پھریے　　ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے　　بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونوں صاحب کے　　اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی
کچھ نہ پایا سوا اسکے سخن　　ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ و لے بیٹھ گئے　　تو نے چاہا تھا کہ اٹھا لے نہ اٹھے بیٹھ گئے
آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں　　اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوا اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

چبکائی — اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں۔ ۶۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ۔ اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا۔

نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں۔ سوزوں۔ مرثیوں کی فصل۔ رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہوتے بلکہ مرے دل سے پوچھیئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے۔

چنگی کا میں حاکم تھا یہ الطاف الٰہی ۔ ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں مٹیوں کی بڑی پشت پناہی ۔ ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت ۔ ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آپہونچی تباہی ۔ ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت ۔ یہ کیا ہے بغاوت
ہوتی یہ حکومت ہے تہ تالی یہ الٰہی ۔ ہے ہے مری شاہی

باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج ۔ اب ہے یہ دیا چارج
بیکار ہی بیکار رنگی منھ کو سیاہی ۔ ہے ہے مری شاہی

یہ سچ کیا ضبط تو تب آگئی مجھکو ۔ اے میرے مجو
خون تھوکا جو بھائی نے تو وحشت الٰہی ۔ ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دل پر تھے لگے تیر سے چلنے ۔ لگا تیل ماڈ ملنے
جب بورڈ میں جا نکلی ہوئی میری منا ہی ۔ ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے حمل ذرا راس نہ آیا ۔ غیرت کو گھٹا یا
کالا ہوا منھ بڑھ گئی قسمت کی سیاہی ۔ ہے ہے مری شاہی

بیٹے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم ۔ ہو بلکہ دوائم
قسمت ہی بری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی ۔ ہے ہے مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ہوئے مخالف مرے آ کے ۔ غیرت کے سکھائے
دیکھا جو یہ چپکے سے ہوا گھر کو میں راہی ۔ ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا ۔ فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی ۔ ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی ہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی ۔ ہے ہے مری شاہی

نیچا سر مغرور ہمیشہ ہی ہوا ہے ۔ آخر کو جھکا سر ہے
لی دوڑ کی میں نے تو لگی منھ پہ سیاہی ۔ ہے ہے مری شاہی

بلیغ — محمد مختار الحسن نام ہے۔ ٹیپن گنج۔ یو۔ پی کے رہنے والے ہیں۔ زمانہ حال کے ...

خوش فکر ظریف شاعر ہیں - اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں -

ہزاراں حسرت نافرجام برایں ہمت عالی ۔۔۔ کہ من مرغوبۂ خود را در آغوش دگر دارم
چہ دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من ۔۔۔ بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوشا روزے کہ آں پر خور آید در کنار من ۔۔۔ بسا خربوزہ و تربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بالغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا ۔۔۔ کہ ہر اہل بلیغ گوید کہ من سوئے نظر دارم

بلیلیلی - یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شیدا کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں - علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اُردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے - ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں - بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بدقسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں -

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے ۔۔۔ دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
وائے قسمت میرے نسخہ میں قم انجیر ہے ۔۔۔ چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تبخیر ہے
عقد بندا ہیں عبث حجت ہوئے واعظ تجھے ۔۔۔ دخت رز ہے نور پشمی یا تری ہمشیر ہے
ہم ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام ۔۔۔ نجد کیا اے قیس ترے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے ۔۔۔ بس اسی رشتہ سے لیلی قیس کی ہمشیر ہے
اے بلیلیلی میں اپنے فن میں کیوں نازاں نہ ہوں ۔۔۔ مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

پنڈریہ - عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پر زر بہ　　بد نمائی بحال خوشتر بہ

از ہمہ ادزلاں یورپین　　پایۂ ہندیاں فراتر بہ

من بہ کعبہ روم ز ترکستان　　از رہ مستقیم حپکر بہ

ایلچے ہم بکار می آید　　خر عیسیٰ بحال خود خر بہ

وضع خوش اختیار باید کرد　　ریش کوتاہ را کلاں سر بہ

تا نہ گردن کنند پیمائیش　　خاکساری شما را احقر بہ

بمحل خواب را نمودے نیست　　نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ

قند زنگی نہ نیشکر آید　　چوں شکر سیدہ ہر چقندر بہ

مفلسانیم در بساط حیات　　اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ

خرس روسی و شیر جاپانی　　جان پل چوں غزال اصغر بہ

ایشیا فتح کرد یورپ را　　ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ

چیست مردی زمانہ انگریزی　　تیغہا در نیام خنجر بہ

چوں یکے اہل فارس شعر شنید　　ہنسکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا جس میں اُس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک [illegible]

شاگرد ہیں۔ میر صاحب اور ابو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہ درج کرتا ہوں۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لئے جب شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں۔ مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور ذلت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا۔ چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آ گیا۔ مولوی کا ذور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے۔ یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑ چڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو۔ جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بہت بڑا نامہ جو ابتک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

درد پڑھتا د علی آکش ویتال کو باندھ ۔۔۔ درد پڑھتا د علی جن و گرو لال کو باندھ

درد پڑھتا د علی بھیرون گھڑیال کو باندھ ۔۔۔ درد پڑھتا د علی بھولین کے سر لال کو باندھ

درد پڑھتا د علی بے خرد تجال کو باندھ

ہو بید سے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا ۔۔۔ باندھونگا عیث بھاگ کے آگے سے ٹل جا

کر ادر کسو آدم و حیوان پہ عمل جا ۔۔۔ آ تو کبھی کہا مان شتابی سے نکل جا

بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا

یا شیشہ میں ہو بند و یا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہوگیا تھا
اِن کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آں نیم کز حلوا ستاں بگردانم — کہ ترک صحبتِ شیریں نہ کار فرہادست
کسے بجوہر یکدانہ نخود نہ رسد — کہ قفل حقۂ کیسا بیا چہ نکشاداست
دگر مگوے کہ نان نو عروس فقرہ ماست — کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماداست
نوشتہ است ز روغن بچہرۂ حبشی — کہ ایں سیاہ زباں زعفراں آزاداست
چہ می بری اے کاسہ لیس برسحاق — بہ برنج زرد و عسل روزی خداداداست

بپیشیم در سحرگاہاں گرآری صحن نعمارا — بہوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوے فربہ اگر داری غنیمتداں — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
[illegible] دبریاں و حسن و نبۂ فربہ — چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
[illegible] بشکن نہ عفراں رخسار نالودہ — بہ رنگ و بوے خال و خط چہ حاجت روے زیبارا
[illegible] وصف خوشۂ انگور شقالے — کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

[illegible]دم زد کر قلیہ حنالی — چو شکر بور قہم فی کل حال
[illegible] بخیزم از بہر ہریسہ — و من طلب العلی سہر اللیال
[illegible] رشتہ آں خورشید شلغم — کان الشمس فی جوف اللیال
[illegible]م سید رم مرغ مسلم — فما ادری یمینا عن شمال

[illegible] ایک بیاض قلمی میں بو یک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام
کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھانہ

ضلع مظفرنگر کے رہنے والے ہوں گے - اِن کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے - اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں - وہی شور وہی ہاے واویلا پیدا کرکے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے - گریا کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - اِن کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے اُن کو نظر انداز کرکے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی　　شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں بہت پست　　گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست
کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست　　خوے بد در طبیعتے کہ نشست

نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا　　گریا بہ بخشاے برحال ما
کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس　　نداریم غیر از تو فریاد رس
یہ کہتی ہے جورو ہمیں برملا　　کہ ہستی اسیر کمند ہوا
وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا　　نگہدار مارا ز راہ خطا
میں کہتا ہوں اس سے کہ اے فاحشا　　خطا در گذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر　　کبھی مارے گھوسے کبھی پٹکا سر
بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر　　تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر
تکبر مکن زینہار اے پسر　　کہ روزے ز دستش در آئی بسر

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں بمتین
کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے
ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا
خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ
خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز
کلام پر رکھتے ہیں - اب سُنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا
اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - اِن کے شعر جو ظرافت کی حد
میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس
ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح
کامیابی نہ ہو سکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب
نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس
کی ہوگی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پر چار کر رہے تھے - اُس وقت گاڑھے کی قیمت
اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ
بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے
چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے — اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر — بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہوگئی — اچھی خاصی ان جولاہوں کی کمائی ہوگئی
ہو ترقی کس [illegible] کھدر کی بھلا — چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہوگئی

کیا کہوں شوق ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا   کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا
کیا ذرا سی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا   میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعویٰ کر دیا
خود ہوئے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہدیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج   کس لئے رکھا ہے سر پر یہ مسیحائی کا تاج
پوچھنے کے واسطے آئے نہ تم میرا مزاج   ہو نہیں سکتا جو تم سے درد فرقت کا علاج
تمکو کس الو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے   کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے
اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے   صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے
مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹہرنے دیتا نہیں یکجا اُسے دورانِ سر   یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر   بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر
شاعری نے اب اُسے الو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد   ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد
اگر جوتے اُسے گارد کا گارد   زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضایع مگرداں

....

بھسنڈ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا   ہت تری دُم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو　　فوراً سب مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پہ مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے　　مری بیوی برابر ما متا کرتی ہی جاتی ہے

دُنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا　　اب اپنی بیوی کو میں تمنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہوگئی　　کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بیگن کے سوا
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی　　سید ولی کے پاس رہ کر مجھکو سید کردیا

پوچھتے ہیں نام بسنت تمسے لوگ　　کہہ بھی دو الّو کا بچّا نام ہے

دی ایک چکت ایسی گالوں سے لہو نکلا　　وہ بھوتنی والا تو میرا بھی گرو نکلا

....

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں　　کھوپڑی کا فقط بچا نام ہے
جسمیں سے تھے ہم عدم میں لے بسنت　　اک بڑا وہ بھی کارخانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے　　یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا　　کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں خوب لوگوں پر — پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں میں اور نہ کوئی چور ہوں میں — حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں — جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کش ہے اور میں اس پر کش — میں مہینہ میں نکالوں اور وہ نو ماہ میں

بیڈھب - ایثار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں مشفقی قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں انکی کلام سے نو مشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ نقد ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جسمیں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے - پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں - اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں -

حمد خدا میں بیڈھب زور قلم دکھانا — ایسا ہے جیسے چھپّر افلاک پر چڑھانا

اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا — اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دو سیر با جرے کا ملیدہ اُڑا گئے — لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا — جو والد کہیگی وہ بیشک کروں گا
نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا — تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا
اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے — تو میں آج سرقے کا دعویٰ کروں گا
اگر سخت جانی مری کام آئی — تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمہارا — بس اب آپ سے خط کا بھیجنا چھوڑوں گا
اگر ساس نے مان لی میری بیڈ صب — تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اگر ہو رقیب وہ عیار ہو جاتا — کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہو جاتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زنانا — اب کے جنم میں یا رب عورت ہمیں بنانا
اس راگ پر ہو لعنت ہے یہ بھی کوئی گانا — تادیم دیم درنا تا دارا دیم تانا

کیا وہ ہرجائی مجھے ڈھونڈھیگا جو کبھی — ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
ہار کر بیٹھ گئے ہار کے چنگی والے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن — آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو — کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا بیڈ مسٹ تمہارا دل نہ تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا — ضعف آنتوں کو سکھاتا ہے پریشاں ہونا
آخر وقت ہے اک چیز مزا دیتی ہے — قابل قدر ہے آموں کا بھدتیاں ہونا
لنا گت میں تو رہنا پڑتا — اور بکھیڑے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا

قحط میں [illegible] جھمیلا عید کا — پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ پر خوداریاں　　عرس افطار اور میلا عید کا
ہیں یہ جیسے اور یہ لندن کا بوٹ　　شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چلدیا　　رہگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترانے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر　　ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا
دل لگانے کی سزا اب مجھے کیا دینگے　　قید ہوگی کہ ضمانت کہ مچلکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کے ساتھ　　ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا بیڈھب اگر　　عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بت پُرفن میں تھا　　غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہیں ایسی گھٹی کیوں ہو　　خدا ناخواستہ جورو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہوا ایسا نہیں دلبر کوئی　　پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
جذب دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا　　وہ یہ سمجھے کہ ہے پتلون کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں رگ کہا کرتے تھے　　اب جو جب پسٹ کوئی کہتا ہے مچھندر کوئی
بیبیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے　　ناز اٹھواوگے تم ایسے کہ چھپر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے۔ ہجو گوئی اور ظرافت میں یدطولی حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالباً میر ماشاءاللہ اور میر انشاءاللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجیے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاءاللہ　　سب کہتے ہیں زیادہ ہونگے انشاءاللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ　　　لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بیگم ۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھیجوں گی سسرال میں تمکو جانم　　　نہیں مجھکو دو بھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو　　　یہ احساں ہے سر پہ دگانا تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا　　　تو پھر سنگ ہے اور شانا تمھارا!

گھر سے گانہ کے دگانا مری مہمان گئی　　　میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف پاء فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹۱۵ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ چپ مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہمنے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند — چشم دل سے جو نگہ کی تھی برائے چند
شاغل و زندہ دل و راہِ حقیقت آگاہ — بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند
خدمتِ قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں — ہیچ شبلی ہوں و یا مہدی ایلچانے چند
رات دن اُن کے لیے شغلِ عبادت ہے یہی — زرد پوشاک کے اُن کو نہیں پانے چند
ایک چھن مال وہ فقیروں کو بنا دیتے ہیں شاہ — آسمانِ پر بھی نہیں اُن کے سے پاکانے چند
گو کہ چھپٹی کی طرح سے ہے یہ تند لائق عیب — اس کے رتبے کو کہاں پہونچے سلیمانے چند
دلِ احقر میں یہ آرزو ہے شب روز مدام — ترک کدم سے کروں نیا و ایوانے چند

پری جھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے میں شاق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دلی کے ایک مشہور شاعر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ ... ۱۱۔۔ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چالیس پچاس ... ہو گا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا
سخن شعرا میں۔

دنیا کے مرد وے مرے اور فنا ہوئے   مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے

ایسے کے تو مرد کہیں تھا نہ بیوفا   اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے

دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں   درگور مردوے مرے روزے قضا ہوئے

شاہ پچھا - ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا - دہلی میں قیام تھا - وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا - وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا - میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں -

دل مرا گر دلب یار کے منڈلاتا ہے   یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پٹنیٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بذلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ان کی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں - ملاحظہ ہو - اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں -

ڈیر پنچ - آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی غدر سے پہلے شاعر تھے اور پھر کبھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگر ریختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے - سنیے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سُنیے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں - اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے - ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضاے انسانی سے لئے ہیں - جن کا فراق اور وصال میں ڈھکڑا رو دیا جاتا ہے - ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے - یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک شاد ہو جاتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل و جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جاسے گی۔ بہرصورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعرانِ رنگیں بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرزِ جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹینٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرزِ جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے — پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

گردوں نے دردِ عشق میں آفت مچائی ہے — تلی غمِ فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا — اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

کروٹ بدل رہے ہیں شبِ ہجر یار میں — آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شبِ فراق — اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوشِ یار تک — سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں — لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

تصویرِ یار ہم نے لگائی دماغ میں — کچھ کچھ شبِ فراق طبیعت بہلتی ہے

برسات آئی پھر وہی گر بڑ مزاج ہے — پھر پیٹ میں فساد ہے پھر نا فٹلتی ہے

پیام — نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبرآباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکرِ سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اردو کے شعر کہ

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دیوان اِن سے یادگار ہے مگر نایاب ہے۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا، قرشت

تبسم - مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹوگرافی کی دکان ہے۔ چند شعر ان کے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مرگیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا ۔۔۔ جس پہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آ دبوچا جو مرے طائر دل کو اُس نے ۔۔۔ ناز اُس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی ۔۔۔ کوئی سسرا کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش حواس ۔۔۔ عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا

در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں ۔۔۔ تو یقیناً دہن یار کبھی سیپی ہوگا

غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پاپی ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم ۔۔۔ یار کا ہے کو جو نپور کا قاضی ہوگا

جسکو لے لے کے مزے کھاتے ہیں انکے عاشق ۔۔۔ غم نہ کیجئے اُسے وہ آم کی گٹھلی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آکر شیریں ۔۔۔ دب گیا گر کہیں پتھر سے تو یہ چپٹا ہوگا

تجھ پہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور ۔۔۔ عشق کچھ چور نہیں ہے کہ جو مخفی ہوگا

جس میں تہذیب نہو ہو وہ ظرافت مہمل ۔۔۔ حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم میں تاب ضبط غم نہیں ۔۔۔ وہاں سوال دل پہ کہتے ہیں وہ کبھی ہم نہیں

ساقی گریز کرکے ہیں یا نسے بھگینہ ہوں ۔ گر لڑکھڑا گیا تو ہمیں گر پڑینہ ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو ۔ پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں بننے تو دو

پاک ہو جائے گی سب دھوکے راہ عشق ۔ صاف تم اپنی گلی کی نالیاں بننے تو دو

انڈے بچے گھر پہ جا کر دو گے کیا فخر ہما ۔ آشیاں ترقی سے جاناں اڑان بننے تو دو

آٹھویں ان ترک الفت دور از انصاف ہے ۔ اپنے عاشق کو ذرا تو شیرواں بننے تو دو

اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر ۔ شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں بننے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے ۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرلیتے تھے ۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے ۔ ۱۸۱۲ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے اردو کی متعدد کتابیں ۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف ہیں ۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جاسکے مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے ۔

سرک سرک کے پلنگ پر چل چل جانا ۔ یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات

نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر ۔ لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ

میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس ۔ کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا ۔ اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی ۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا ۔

شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا ۔ آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بیخار۔ دخمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل بنجاتا۔ پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رہے تو وہ ہے جو رو دکھتا تھا ۔۔۔ الٰہی اسکے پاؤں تک میر بلے آرزو پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا ۔۔۔ کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

کر گلے شکوہ کو موقوف میاں بس چپ چپ ۔۔۔ میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان ۔۔۔ دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصور۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بہ تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا ے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۸ھ میں دنیاے فانی سے رخصت ہوے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں کوئی قدح یوں ان کے نخرے اٹھائے

توتی ایران کی ایک مخدرۂ عصمت آپ کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ توتی بیچاری ان کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم تو با کونش بساز و من با کیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی ——— میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا کاواک شدہ چونے از ولشت مرا
گر پشت بسوے او و مے خواب کنم بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی سست رگے کشت مرا روزے نبود از وبجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت   بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے۔

ملا ہمہ ناز و غمزہ انگشت مرا   تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوئے من خواب کنی   بگزار کہ وا گرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹٹیری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریائے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رودیتا ہوں — جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو — اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے — مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بکھیڑ یا دھسان الٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقائے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اُردو سے ماضی میں شاعری کیجاوے یا حال ومستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کر لیجئے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغاں سمجھنا چاہیئے - ماضی کی شاعری سے تجاوز کر کے ....

حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے - اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے ہیں - اگر صحت و سلامتی و مساز ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصۂ نظم نذر ناظرین کر دیں - میں موجد پٹینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں - دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے نزلی بے بدل پر

حاشیہ لاجواب یعنی خمسۂ دنداں شکن

شہرگ یہ دمبدم مری گردن [illegible] ہے — [illegible] کی نہر شب روز ابلتی ہے
گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے — [illegible] آگ عشق بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی [illegible] سینے میں چلتی ہے

تخنوں میں درد ہو گیا [illegible] اڑائی ہے — [illegible] پاش پاش [illegible] کمائی ہے
ہو زخموں پیام کہ حلق [illegible] ہے — گردوں نے [illegible] مرکوفت مچائی ہے
تلی غم فراق میں [illegible] ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے [illegible] کا آسرا — [illegible] گیا گلا
اُچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا — [illegible] گیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

سنج شب فراق میں اللہ کی مار میں — [illegible]
الحدر عاکہ شام ہوئی انتظار میں — کروٹ بدل [illegible]
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

بیا. غم کا حال ہوا سو کہ سالکہ تاق — یہ حسن اتفاق ہے یا [illegible]

آیا جو چارہ گر دیا یا مجھے مراق تارے گنا کیا ہوں پڑا چت خر فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دیتے ہمنے تار تک قرتم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک
ملتا نہ تھا ملا نہ انھیں گھر میں یار تک دانتوں کا دسترس نہوا گوش یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں
جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہے ساری پہ داغ ہیں جو رنگ تیرے منہ پہ ہیں وہ دل کے داغ ہیں
یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہر زکام برابر علاج ہے گرمی میں ہی بخار خنک احتیاج ہے
اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد - اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی نہ پردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے آئے آئے جھم جھم آئے پنچ دوار سے ٹیسو آئے
پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں ہمری الج گرج سن جائیں

پنچ
اتنا کیوں چلاتے ہیں — آتے ہیں بھئی آتے ہیں

ٹیسو
آج بات یہ ہم نے ٹھانی — لا یہ ہوئی ہمکا یا ہانی
تنک تنک ہم بات بتلی ہے — رتی رتی حال سنی ہے

ہندوستان
ٹیسو سارا بہت ستائس — گھر سے بھیک منگائس
بھکلنگی ہاں عمر گنوادا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایس جوگ پڑا کچھ آن — چندہ چھین اس جا پان
کہو کہاں سے اب ہم لائی — دوسرے کی جو لگی بجھائی
جھنجھی کوڑی گھر ماں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کھیر منائیں

ضرورت
کہدو بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جا اسے بنے وہاں سے لائیں

ہندوستان
پنچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو بھئی سنتے ہو

بازاری لڑکے
پنچ بہادر چیتے ہیں — دیتے ہیں بھئی دیتے ہیں

ٹیسو
جھنجھیا بھری پڑی کہانی — جا بیٹھی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — جن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ بجھاتا ہے

راجہ سب کی سنتا ہے — روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری — کہو تو جھوٹے کچ کچ کری

بازاری لڑکے — کھیلو کودو جانے دو — مرتی ہے مر جانے دو

ضرورت — پرنچ دوارے ست کا لایو — سچ سچ کہو کا پایو

ہندوستان — ہم کا ملی نہیں اک پائی — کا جھوٹے دیکھا سمجھائی

ضرورت — اچھا اچھا دیکھیں گے — دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان — اسے بدبخت ہم کا گن کینا — پھر سے کرم ہار سکا لکھ دینا
یا ہی دیکھا کرم کا لیکھا — جاسے بھینٹ بھی نہ دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریا۔ جمعیت علی نام تھا جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں تھا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دھن نہیں
وے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ ننھی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے — میری سوتن کے الٰہی یونہی آگے آئے
دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی بہتی ہیں — ہائے نیتے کا سینتے کیوں رات کو بھاگے آئے
شام سے سوتے منہ پھیرے مردوں کی طرح — آئے تو گھر میں کبھی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچا لاڈو تو نہ زنہار کہیں — کنواریاں خود تو بیاتی نہیں گھر بار کہیں
ان کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھر سے ان کا — مجھکو کیا کام ہے جائے مری پیزار کہیں
آجکل کنواریاں بیگم بڑی چھتیسی ہیں — منگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں
ان کو ہر کام میں کیوں دخل جھنجھکتی ہی پھر ماما — رات [illegible]

ماما کا ہے کہنا کٹنی ہے یہ اچھی خاصی — مجھکو کر ڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ سہہ جاتی ہے — ڈھونڈھ لے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو — مارا بچی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں — مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

25 XII. [illegible]

حرف جیم عربی

جان - میر یار علی نام تھا۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین دربار میں ملازم ہوکر رامپور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی منکسر مزاج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر ۱۲۸۴ھ میں مجبوراً ترک وطن کرکے روزگار کی فکر میں دلی گئے۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدر دانی رامپور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے۔ تا اینکہ سنہ ۱۲۹۱ھ میں ۶۳ برس کی عمر پاکر پیوند خاک ہوگئے۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُنسے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادر زاد اندھا شاعر تھا۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے "تذکرہ شعراے دکن" میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر میں یہ عبارت دیکھی "زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ خود سید انشاء نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے - لہذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا - اسیطرح تذکرۂ مہر جہاں تاب میں بھی انشاہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے - بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان و ولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک دو کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں -

اری ناداں تپن اپنے سجن کو کیوں رٹھایا کو   رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں   سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے - لیکن ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے - مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے - غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا - مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے - اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی - مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دیئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں - اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا - ان کے کلام میں فواحشات کا بھی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپا تھا تو نایاب ہو گیا تھا - مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اُسکا انتخاب کر کے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اسی انتخاب کو چھپوایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں بیگناتی زبان۔ لکھنؤ کے روزمرہ۔ شیریں کلام عورتوں کے محاورات۔ رسوم ورواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور   کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

پھبتی کہی چراغ ہے بیٹے کی جھونجھ میں   مُحرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق   کنبے میں بیگمات کے دولہا جو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب   برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے   کہیں مشاطہ کر پیغام اب مصری کی نسبت کا
وہ دل در گور جینیاں نے کبھی جو نام الفت کا   کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
وہ تھے استاد ان سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت   کیا پر نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا
کلوا رنی پہ مرتا ہے لعنت اُسکی ریش پر   قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
مسانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال   پڑ جائے اس کے حلق میں پھندا شراب کا
سوم بنیوں سے جلا ہونسے جو جوبہ کھیلے   چال وہ مجھسے ٹکے گز کی نکیو نکر چلتا
رہگیا کس سوم کا پیٹ جو جنتی نہیں   تیرہواں مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا
ساس نندوں کی محبت کے میں قربان گئی   چاؤں میکے مجھے منگوادو سواری مرزا
تم سلامت رہو صدقے میں تمھارے صاحب   کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا
یگانہ تھا کچا تھا وہ جن اے پریخانم   کل سر پر چڑھا آج نگوڑا اتر آیا

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکارا چپ چلے آئے　　کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی　　ہمیں تو لاکھو کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لا کبھی لال ہو گیا　　غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکمے بال کا　　راکھ مل کے نوچ یا نورہ لگا ہڑتال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے اک دن میری سوت　　کھائے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا

خالی کے پہننے میں وہ خالا نہیں رہتا　　در گور مرے پاس رذالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت　　سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہے ماموں سے محرم میں بھی رنڈی　　مو بافت تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پیٹ ہے ہمکو تو سو خطرے ہوں پڑے　　مردوں پہ تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا

حسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ تو ہے　　صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب　　مری نازنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ　　یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ چاہے سے میں باہر ہوں بھلا اخلانی　　ادھڑی دو بار مگا ٹھیک آئی انگیا

کوڑھ دو ان چھاتیوں سے ٹپکے اسے جو پہنے　　میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنائیں　　اپنی جبر دو نگوڑے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہتے ہیں تھا حرام وہ کام　　ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے بد مستی کو قوم میں ان کی کیا پیدا　　بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہی کبھو لیا　　چھوڑا پڑا قفہ میں نے ترا جی دہل گیا

تصویر ان کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے　　بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دنرات کا پھیر وہ ہی بکھیڑا نکلا　　کوئی گل بیوے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

بہو نہیں تل ہے مری مہتابی کے بھبتی کہیں　　چاند کے پیٹ میں خورشید یہ تارا نکلا

جان صاحب تھیں رات کو خانم کے گھر — مجھ نجیبی نے عبث عیش کا سامان کیا

کہتے ہیں دیتی ہوں لڈو خانم تمھیں خدا کی پڑیا — منگال لونگی میں وہ دونے کہ کسی سے جواب اٹھا!

میں پاس بیٹھی بھی دولہا بنا کے گر دیتے تو ہونی — کیا غضب کیا ہے یہ تو نے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جا کر سواری منگوا دو مجھکو صاحب — یہاں سے ننھی کی اولی ٹھولی کر نہیں کہتا ہے بھلا گوارا

کھانا چرا کے خوب نہیں جانتے پان کا — منہ کی کہیں کھلائے نہ چسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر کھنچی ہے نئی — انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خرابی ہے مری دونو طرح — بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس تمے بے پیر کا — تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا — یا دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا — مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا — منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر — دشمنوں کا مرے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا — قربان اس حیا کے ہوا سال بھر ہوا

سوکھا سوکھا گودڑا گورا — کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل میں آ کر حال ان چڑیوں کی چوں چوں کا — ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے مجنوں کا

لگیجا ہے نہ کوسا کسی کل تجھی کا ظالم — ہونا ارے مشہور بلا کو نہیں اچھا

جو شوم ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے حق میں — چڑیا حلال کر دے تجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کد جلی بانگ بلی دکھیا ہوں — ٹھنڈا رکھے گا تجھے اوہی جلانا میرا

تم اگر دوگے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا — کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں — گھروالا گھر کو کتا ہو تخانہ ہو گیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان جب کی — وہ اسکی شکل کیا ہے اے بوا قربان کی صورت

ماں سے ہمکو سوا ہے پیاری ساس   باجی دنیا ہو اور ہماری ساس

جو ہر ان کے کھلے ہیں بہو دل پر   چھریاں نندیں ہیں اور کٹاری ساس

بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے   ہے وہ جلادنی ہماری ساس

کافی ہے نیک بخت کو بی جان یک مرد   کسی کو وہ چاہیئے دو چار کی تلاش

آج مجھے ہے توکل اور ہے مرزا اخلاص   ایسی ہرجائی سے ہو نوج نگوڑا اخلاص

کوشش بہت سی کی نہ ٹلا پر دنوں کا پھیر   لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض

کیا باجی بھیجتا وہ نکھٹو بھلا مجھے   جسنے نہ پوچھی بات کبھی در کنار خط

گگڑی کے چور کا نہیں کرتا ہو کوئی خون   مہندی کے چور پر کیا تم نے ستم غلط

گالی جو منہ سے نکلی ہو کاٹو مری زبان   تہمت لگا رہی ہے تمہاری حرم غلط

ہر گھڑی آکے جیٹھانی مرے منہ چڑھتی ہے   ایک دو بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ

نرگس سفید پوش تھی بیمار ہو گئی   اودا اودا پٹہ اوڑھ کے سوسن نکلے باغ

ایسی ہرجائی سے بی کون نباہے خانم   کبھی مجھپر کبھی تجھ پر ہوئے مرزا عاشق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو ممانی سچ کہو   اوہی کیا ہوگا وہ جورو کا نگوڑا عاشق

نہ لذت اٹھاؤ گی آگے   اب تو نام خدا ہوا ہے عشق کے

چلتا نہیں ہے زور محبت میں اب ہے کچھ   عزت یہ جسکی چاہے نگوڑا اتارے دل

لاؤ دو یہ جی میں آتا ہے دیدے نکال لوں   کیا خوش ہوا ہے دیکھ کے تیرے اشارے دل

ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہونگی بیٹی   پاس مرزا ترا اداب بھو کرتے ہیں

تماشہ کرتی یہ بچی تمہاری پھرتی ہیں   میں ہو تے دیکھو اجی پیاری پیاری گھڑی گھما

ملا تھا ایک ہی لیلی کو اسے دوا مجنوں   ہزاروں اس سے تو وحشی ہا ہے پھرتے ہیں

دلی جو مرے بدنام میرا نام کریں   انھیں کی ننھی بڑی کو مرے غلام کریں

اکیلی جاؤ نہ مسجد میں طاق بھرنے کو   دوگانا جان تمھیں جھک کے ہم سلام کریں

سوت کی بھتی نہ کھائی بانجھ دنیا سے چلی ‏ دل ہی میں میرے رہ گئے افسوس یہ ارمان دو

پھٹکار کیسی منھ پہ برستی ہے چل پچھے ‏ منھ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ

مسجد کا طاق بھرنے لنگوٹی چلے گی کب ‏ کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھار کچھ

خوب گن سیکھے کواری کھیلکر جیٹھ کے ساتھ ‏ رات کو مسی ملی اندھیرے میں سوسن کے ساتھ

....

دوسری مجھ سی لٹے صدمہ میں چھاتی پھٹ چلے ‏ میں بھی برباد ہوئی اُس موئے ناشدنی کے ساتھ

شمع افروز کی بی چھاتی پہ پھبتی کہوں ‏ تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھے

یہ دو رشتہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی ‏ دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تمھارے

ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھکو چال سے ‏ چھوکری اندھی ہے لڑکا کم بخت نچال ہے

ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں مٹکتا ہے بوا ‏ جان صاحب کی ابھی دیکھو حماقت نہ گئی

تانبے کا تار لانا نہ اک دن ہوا نصیب ‏ سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے

حلوائی کی دکان کی پھبتی نہ کیوں کہوں ‏ دن رات آسمان مٹھائی کا تھال ہے

کیا ہو گا گل ہزار کھلائے ہوا بہار ‏ میں پات پات ہوں وہ اگر ڈال ڈال ہے

کھلوا نہ ٹھوکریں مجھے دل دربدر مجھے ‏ رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر بہ گھر مجھے

باہمن یہ مجھ سے کہتا ہے پوتھی بچار کے ‏ پھندے میں ہم پھنسو گی اب تین چار کے

منگا دو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں ‏ تمھارے لئے کچھ برائی نہ ہو گی

جعفری — مرزا من بیگم نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد عالیجاہ کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق رنگین سے متین شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی تا صبح کیوں نہ ہووے چمن میں جٹا پٹی

آ مجھ نین میں بس کہ بنا ہے ترے لیے یہ نیرہ سیاہ و سفید و بیٹا پٹی

پڑھے کیوں ہر اک بات میں تو وہ پھبتی صفا دانتوں کی روشن سب مسی میں تبسی

جعفر زٹلی۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہرصورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر مہربان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہنچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو فہو المراد۔ ورنہ غصہ کے مارے میٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زور کی رسم سے مطابق اشاعت کرتے۔ اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبد القادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نہایت سیرت ساکت، خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سُنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کس کی شامت آئی تھی۔ بیدل نے اشارۃً ہی سہی یا دل ناخواستہ منظور کر لیا۔ آپ نے پر [illegible] پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی تھا

ع۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیشِ تو پیش۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے رہے، عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلاکر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہٰذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا چاقو سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم بھوت بڑارا نامہ'' کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند نازکو کک اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک ہجو انامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں ہجو سے ناسے کو نادر سخن ستی
سُن مرحبا کہو گے مجھے اس بچن ستی

مشہور ہے یہ بات کھوسے زمن ستی
ہجوے کو شیخ جی تھے و غادی تھی فن ستی

تس کا کروں بیان خوبان دکن ستی

یہ ہجو اتنا مرا ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہوکر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹلی نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹ — تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو

تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی — یہ رنگ پتنگے کا اڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل — دمبدم از دمدمہ جاں در خلل

توبہ ازیں مسکن و رندان فراخ — روز و شب آوازۂ پھسپھول ٹپاٹخ

توبہ ازیں مسکن پر شور و شر — مرحلۂ پر خطر و خوف و ڈر

پر خس و خاشاک بہ سر نوکری — نزد خرد بہتر ازیں نوکری

جعفر ازیں کوچہ در ایں مورچھل — شرم حضوری بکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش — کہ گنجی بزد کرد و پچی دبخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوئے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفراب کیسے بنے
افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفراب کیسے بنے

در بیکسی تا بودۂ با درد و غم آلودۂ
مفلس شدی دو ربدر کہہ جعفراب کیسے بنے

از ہجو آں سلطان خود کردی پریشاں حال خود
درماندۂ بے بال و پر کہہ جعفراب کیسے بنے

اسباب غم پرواشتی تخم فلاکت کاشتی
اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفراب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتے پل بانکتے کو دوں پھاکتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ؎

زخان جہاں شاہ گیتی پناہ
زبیداد جواں زٹل داد خواد

جواں پڑ گئیں درقبا و ازار
نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار

رکت کی جو پیا میری پیاسی پھریں
کہ حیران و ہلکان مجھسکو کریں

لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں
قبل پیچ دشمن مری ہو رہیں

جواں مارتے مارتے شب گزشت
ولے یک جوں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دیئے۔ مگر چند روز بعد ادبار پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آ کر کبھی پرچیخ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی و خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح ان کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ ہاں ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ اُنکے ایک ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج و خندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم و فضل و فنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایۂ ناز نظموں کا دارومدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دیہل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند و نصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفر اور جہاں معاذ اللہ	ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند	گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفر افلاسے کہ زن پہ کند	آہ آں زن زلست مرد کہ خر
آرزوے دلش بہ دل ماند	خود پئے نان خراب و رسواتر

بزن کردن درافتادم بگرداب پریشانی — دل ودین رفت ونسیان شد سہ درہم تخندانی

بلے خوش گفتہ مصرع جعفرا این از رہ فطرت — چراکارے کند عاقل کہ بازآید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانۂ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اُسوقت تو جعفر خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت روئیں تنم — کہ دہ پاپڑ از مشت خود بشکنم

کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر — برآرم دمار از سر مور تیر

کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من درآرم بہ بند

بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم پسوے لنگ را

بہ صد حملہ بال مگس بر کنم — قطار دو صد مور برہم زنم

اگر برزنم پنجہ در دال بھات — فتد ہیبت و خوف من در جہات

بدوزم برمح سناں دودرا — شگافم بہ چنگال فالودہ را

دریں دور ثانی رستم منم — بتاسا بہ گرز گراں بشکنم

بہ ہنگام خشم و تردد تلاش — کنم غرق انگشت در دال ماش

من آں شہسوارم کہ روز نبرد — برآرم بہ پشت از پنبہ گرد

چناں بشکنم رشتۂ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم — چہل خانۂ موش ویراں کنم

چو شیرستم از خنجر آبدار — بجاں و جگر است ہنگام کار

اگر برکشم تیغ تدبیر را — ببرّم سر شیر تصویر را

تہمتن نیم گر کشم تیغ خشم — تراشم بہ ضرب یکے موئے پشم

نہ آنم کہ بگریزم از گوزنسر — بہ گزرش کنم سینۂ خود سپر

بہ نام و نشاں جعفر دردمند — چو گوز خر آوازۂ من بلند

فتد لرزہ از من در اندام شوم — کنم زیر پوستہ و دکام شوم

سر ممسکاں بر سر دار بہ — نہ بردار بہ بلکہ در غار بہ

بترسد دل شوم از شاعراں — چو از باز و شاہین دل طائراں

چو بیند مرا شوم ہمت کشد — چو از گربہ مرغے کہ کرکر کند

اگر بنگرد صورتش بخیل — گریزد چو از گرگگاں اسغ فیل

بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن — بہ سمت جناب سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ نظم رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ نا یہ فوج مغلوب ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئی کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ دو نظمیں لکھیں جن میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے

لبنشو بیان نوکری جب آگیا تھا مہینہ نوکری — تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے

ہر روز جبرا گھر گیا درکار پیسو گر پڑیا — جب شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے

دن بھیں مجرے میں گئے دس بیس ہی بھی نہ لئے — دنیا میں میں جھگڑے گئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے بال بچہ بیمار ہو گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

ولا در مفلسی سب سے اکڑ رہ — بہ عالم بے کسی سب سے اکڑ رہ
چکن اور زر کا چیرہ پشم کر اوجھ — پھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہ
اگر شلوار نباشد کسکو غم ہے — لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو
انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تونگر این تحمل آبشورہ تابکے — شربت قند و گلاب کورہ کورہ تابکے
کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و سال و ماہ — پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تابکے
کل شئی ھالک جعفر زباں را بند کن — این سخنہاے زٹل پھکڑ لپھکوڑہ تابکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفر نامہ لکھکر قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی نہ ہو سکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفر نامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ دہا تک بلی — کہ در ملک دکھن پڑی کھلبلی
برآمد و عسکر بصد دھوم دھام — کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام
دریں پیر سالی و ضعف بدن — مچائی دھما چوکڑی در دکن
زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا — نہ بلد نہ ٹلد نہ جنبد زجا
کمر بستہ ہشیار میدان پر — شب و روز تیار گھمسان پر

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جگت میں کر گئے — تخت اور چھپر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا
ہوا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ آباد میں — خبریں گئیں بغداد میں آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہو گیا تھا۔ اور بجائے ژٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہو گئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہاں ۔۔۔ چند پاپوش و چند کہلہ بزن

زانکہ ایں با کسے نکرد وفا ۔۔۔ بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانہ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اُردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنہیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جنہیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زنانہ۔ یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زنانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کیموافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ اُنکی لغت بھی اُن کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم۔ جس میں ظرافت۔ واقعات۔ ہجویات۔ رقعات۔ دستورالعمل۔ بضاعیہ رجز۔ نسخہ جات۔ مسئلے۔ غزلیات۔ مورچھل نامہ۔ کچھوے نامہ۔ مسدس۔ ظفر نامہ۔ مراثی۔ سپش نامہ۔ تضمین۔ قطعات۔ اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو۔

انتخاب دستورالعمل نظم

ہر زن کہ باشد جنگجو۔ در چال چلے ریو
دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار بہ

جورو لڑاکا گر بود پر خوف و ڈر آگے بڑھ
وہ گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار بہ

جو نار چنچلے چال میں سسکی بھرے ہر حال میں
کالا تو ہے کچھ دال میں از قرب او زنہار بہ

جو رانڈ ہو کا جل کرے چوٹے چندن پر مرے
چوڑی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار بہ

گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب باشی نہ دے
بیٹا جو وہ یاری نہ دے ایں ہر سہ تن فی النار بہ

سسرا جو ہو دل تنگ جی مسک خشن بے رنگ جی
داماد سے بے ننگ جی اس سے سگ مردار بہ

جعفر بہ بستان جہاں دم غنیمت است
شادی ...

دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا
زاں ساگ خام بیہ ہم غنیمت است

گر اسپ صفا نبود رہ بہ کار تو
یک خچر گدھری پالم غنیمت است

آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو
آواز بل بیگم و خانم غنیمت است

تربوز و خربزہ نبود گر میسرت
یک سبز بیانگ کھیرہ بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدایار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدایار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہرو بازار کو — لگی آہ میری خدایار کو
خدایار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت پیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار د دستار او
تڑاتڑ سڑاسر لگی لاگنے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشنداس کا تال گنڈا کیا
دریغا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامہ چڑیاں دار او
چو ایں ماجرا جان بابا شنید — دوادو دوادو پیاپے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگڑ سے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بومڑی — کہ گیدڑ کے منہ سے چھٹی لومڑی
خدایار مسکیں دہا دہم کشا — بلیا کے نیچے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھوداس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود — کہ از عفت نفی مردرا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سنواے خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو مرا من میں جیتا کرے	غپا غپ شپا شپ کے پالے پڑے

من از ضعف چوں چونی و بجو سیم	نہ چوری سرا فیل منگلو سیم

مرا طاقت ٹکر او کجا است	تن و توش آنکس چو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برد کر دئے انھوں نے ہجو کہی جسکا یہ اثر ہوا کہ قمر النساء بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے	فتح خاں کی آنی..... نکلے

مدح حسن معشوق

جعفر چہ بہی باشد و کیا بانکی ہلیا	بر حسن تو جبریل گرفتار جو ہے سو

با تیر انا کانی دبرچھی تغافل	امروز مجھے مارنہ اے یار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

ذرینا کہ جوبن چپلا روس کر	اُلّلے تُلّلے کا گھر موس کر

ارے ہاے جوبن چلا جاے ہے	چہ چارہ کنم کہتے رہے ہاے رے

مرا عشق و انکھیل پن از تو بود	شب و روز البیل پن از تو بود

طفیل تو بود ایں کلیل و چھلنگ	بہیل تو بود ایں الول و ترنگ

جوانی زمن چوں شنید ایں بیاں	بگو گفت در گوش ہو شم عیاں

کہ اے کل ٹرو پنچ ہر دو گہنہ پال	توئی میزبان و منم میہمان

ندانی کہ مہماں نگیرد قرار	بجز ایک شب یا دنا دو سہ چار

بروصبر کن با بڑہا پا پساز | ازیں پس مکن پایہ غفلت دراز
بڑہا پا بود مغفرت خواہ تو | سودتالب گور ہمراہ تو
جوانی د جوبن پڑو بھاڑ میں | کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قام و قعود از کشش نفس مخور غوط | در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت | آنکس کہ شکم سیر ہبت کہوہ نباشد
بر تھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ مسند دل | تار ہٹے تو فردا چو سیہ توہ نباشد
بے سود بود توبہ بہ شیبی و بہ پیری | منظور چنیں توبہ پچھلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب | گٹاوے لڑاوے بہ فن دفریب
نقارے دماموں سے دھول دھول کیا | بہ سرناو کرنلے بھوں بھوں کیا
عجب اوٹ ایں کوٹ بیجا پور است | کہ ہر برج او مثل بھنہ سر است
چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاو | کہ انگشت را نیست در وے نگاو
لگا کوٹ کو مورچہ جا سے کر | نکالا سکندر کو انگلاسے کر

زہے بادشہ اوجڑ ودیو بھوت | بلی وولی نعمت چار پوت
ازیں ہیں بیٹے نپٹ ناخلف | پسر خود خلف بہ وگرنہ تلف
وگرنہ چہ یارا حسن شاہ را | کہ گرداند امر ے شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ باشاہ باز | بہ ہیجا درآید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ باشیر پہلو زند | چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرہ و مشتری | بہ نخوت زند دعوئی ہمسری
چہ گیدڑ چہ لمڑی بہ پیش پلنگ | چہ جھینگر چہ پھی بہ پیش نہنگ
چہ جھل کہ دعوای رائی کند | چہ کھٹمل کہ پرِ چار پائی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود | چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند | چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبد الروف | کہ دیجئے ٹا ٹھوک سے چوں حروف
چہ مدناجی پنڈت چہ مرزا خلیل | بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
در آفاق بسیار چکر زدم | بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز | ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

سپش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ | ز بیداد جوّاں زطل دادخواہ
جوئیں پڑ گئیں در قباؤ ازار | نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی | چو دیدم کہ فوجاں جوانکی چلی
لڑائی پڑی جوّاں سے وقت رات | جوّاں کا چلا منھ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت | ولے یک جوّاں از میاں کم نگشت
کروڑوں جوئیں اور اکیلا منم | دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ ایں قباؤ ازار | پھروں کھیلتا میں جووں کے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب | کہ از زور جوّاں خورد پیچ وتاب
جوراکاسس جوّاں کند ترک تاز | شود سرنگوں طرۂ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور | جوّاں مارنے میں نرکھیں شعور

محمد امین خاں بڑے سار دھول　　جو اس سے گئے چوکڑی مار بھول
جو شہ واد خاں جی بڑے شرع دار　　یہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزرد در عسرت حال　　بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں سخندان　　بداں ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زرکوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آں صنم تنہا نیاید از من آب　　میکشد زاندازیک غربیلہ از روئیں آفتاب
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ ہیچل آسیا　　مے جہاند از من او در جالت کردیدن آب

جگت - جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سے ہیں قریب قریب ۳۲ - ۳۳ سال کی عمر ہو گی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور سب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر عیب کو فروگذاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ وھوہذا۔

بڑے کلانسار ہولی کے جو بھیا ہمرے من پائن　　بلوا بھیج کے توا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر　　بچھونا پھر رسوئیاں والے کمرے مان دبھوائن

گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آؤ
دسا ور پان ال بھوجی پہ سے کتھے کھوب بگوائین

کچوری پوری ربڑی دال موٹھ اور برفی نیکونے
پڑکیا اور پیپریا گھر میں اپنے کھوب پکوائین

اگرچ ہم کہہ سکت نا ہمیں بڑی لکھا تر بھی ہمری
ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائین

بدل لنگا دوپٹہ بھوجی گا تن ہاری بلوائین
ہماری گود ماں بٹھلاے کے نکا ناہی سنوائین

عبیر اور بتاسب رکھا رہا بھر بھر کے تھریا میں
ملن بھرے بھی گلوا ماں اور لپنو منہ میں ملوائین

منگائیس وارد مہوا کی بہت اچھی سی اک بوتل
بڑے ہی سوک سے بھر بھر کے کٹھر ہمکا پلوائین

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو
نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو

ہمہ تن پاس کر دیا تو نے
ستیاناس کر دیا تو نے

دونوں رخسار عنایت کریں اک بوسہ
اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جاے

دھوکے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا
کہ چندہ وصول ہوتا ہے صاحب باؤ سے

جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دہقاں سے
کہ اپنے کھیت پر لیجاے میری چشم گریاں کو

چشم نے میری اشکباری کی
کاشتکاروں نے کاشتکاری کی

ایک دن رو دیا برا سے امتحاں میں ناتواں
سو مندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے

میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو
کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیے گا

حسینوں سے نظر مجھے لڑی ہے
لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے

خبر دیتی ہے ہچکی ان بتوں کی
ابھی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے

پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں
تمھاری زلف ہے یا ہتکھڑی ہے

رخ انور پہ ان کے ہے عیاں خال
یہ بیڈ ہے دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
ہٹ بے پیر پر لعنت خدا کی

مٹک کر ناک پہ انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غم ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دلِ ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اسیدن سے مری چاندی کٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربتِ دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقا کے اڑانے لگا وہ ماہ لقا — اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادہ بیداد ہیں مچھر — مزہ دے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحبِ اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شبِ وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شبِ وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالا سے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہانِ ہر زمانہ — اور ہیں گے کیا کفر ... ہائے باپ رے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین جوتھانیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے — ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے ۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوش مزاج ہوتے ہیں ۔

رواں جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا ۔۔۔ تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا

چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو ۔۔۔ جو آج کل میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیروں کو ۔۔۔ بنا میں ہیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں

ترے غم نے مجھے بخشا ہے اسباب عشرت کا ۔۔۔ کہ شکل اپنی بنائے شل موسیقار پھرتا ہوں

کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجے ۔۔۔ اسی کے واسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں

تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف ہوں نہیں سمجھے ۔۔۔ کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

اُسپہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر ۔۔۔ شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے

سیم کی طرح دل گداز میں ہے ۔۔۔ میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے

کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ ۔۔۔ تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے

اُسکو پوچھے تو دے جواب وہ لب ۔۔۔ اک جوابی ہے اک سوالی ہے

زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گل ؟ ۔۔۔ اور الجھی رہے تو جالی ہے

ہم غریبوں کا بستر اک یہ ۔۔۔ اک پرانی پھٹی نہالی ہے

مت بڑا مانو جمیل اُسکا　　　اُس کی گالی نہیں سہائی ہے

جوشش - ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا - مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے - اور اسی نام سے مشہور ہوگئے تھے - تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے - ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے - اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۲۹۳ھ میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے - ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے - جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا -

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا　　　بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا -

---

جوکر - حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں - گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھ سے اچھی خاصی ملاقات ہے - مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر [illegible] کے نام سے واقف ہے - آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے [illegible] ہے - آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے [illegible] ہیں - اسوقت ۱۹۲۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی [illegible] کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اسی پہلے کلام کو تند مکرر سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کہنڈ مرے سوگوار سے — تھوڑا سا تیل ہے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا — کہ اُن کی جھونجھ کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں ہوتا — تو لیلیٰ کے اوپر اونٹنا سپر سایاں ہوتا

کسی کے کان چھپ جاتے تو کیا گونگا ہوتا — اگر بندہ نصیب دشمنان مجنوناں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا یہ بچت آئی — کراہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دُبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پڑتی — جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسین جتنے سدیشی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی — جو ۲۲ سمبر میں اگر یاں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر سنبل کی راتیں — اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں سارباں ہوتا

کیکے دس گھر یکے کھیلنے مر کام آ جاتا — مرادِ دل ہوتا کاش لیلیٰ کا میاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھونجھ میں گھستا — مرے صیاد۔ جو کرتا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمی روز شمار سے — مردے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو چولہا بنانے کی یار کو — کچھ گلے کھود لیگیا میرے مزار سے

لنگڑیاں دیکھے ٹانگ دونکی لٹو دونا کی ڈور — الفت میں پیچ پڑ گیا اب مانگدار سے

وعدے میں تیرے جھوٹ کا بوجھ اسقدر ہو — جو لدے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی
اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی

کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی
کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی

جب پردۂ محمل سے لیلیٰ بھی تماشائی
مجنوں نے حماقت کی گر چیخ نہ دکھلائی

عشاق گراں جاں سے ہاری شب تنہائی
یہ کہتی ہوئی بھاگی مردود نہیں کیسوں آئی

کیوں سہر کسی ناکس مردے کو جلاتے ہو
ٹھینگے میں نہ مل جائے اکرو نہ مسیحائی

دم ہم آن کا دم رخصت کام آیا بہت میرے
وہ بیٹھ گئے اٹھ کے جب چھینک مجھے آئی

کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں ہوتی
اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی نائی

یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر جڑھاتے ہیں
تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی

جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو
آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے
داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے

صیاد کا بندہ ہے کہ جھونجھو کا دشمن
اللہ کرے گر پڑے بھنگی پہ یہ جا کے

جو آہ مرے صبر میں حارج ہوئی اسکو
بالا سے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے

دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک
رکھتا ہوں ہر اک باغ میں جھونجھو لگا کے

کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے
رہتا ہوں دریا پہ میں گھوم گھما کے

جب مجھ کو کھل جاتی ہے جھنجھو کی کبھی آنکھ
دیتا ہے اذاں ونٹ کے کوہان پہ جا کے

جوکر ترے انداز ظرافت کے تصدق تھا
رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اس بت نے نہ یہ جانا
بنجائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا

مقتل میں یہ کہتا ہوں ویسے کہ نہ گھبرانا
جب قتل کا وقت آئے چپکے سے بھگا جانا

مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا
اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا نہ زچہ خانا

ساقی سے مرے کسکی ہمت ہے جو منہ لگے
اک ہاتھ میں جوتا ہے اک ہاتھ میں پیمانا

آہ دل سوزاں ہے یا آنچ ہے چلموں کی
عشاق کی محفل ہے یا کوئی چرس خانا

دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں مینڈک سے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دھوبی روتی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے
کہ سارا چاک ہے اور ایک گز کا گریباں ہے

ادھر دریائے خوں جاری اُدھر انبار مُردوں کے
یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے

انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جونہی دیکھا
تو میں یہ کہہ کے بھاگا اب یہاں کچھ اور ساماں ہے

عجب کیا ہے جو وحشی حرکتوں سے اپنی باز آئے
اگر سب ملکے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے

دسہرے میں جو پوچھی اُس سے خیر و عافیت دل کی
تو فرمایا کہ وہ ٹھیو تو زیب طاق نسیاں ہے

کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل
لئے ہو جو پھٹے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے

زمیں کے اس طرف آباد ہیں سب اہل امریکہ
تو کیا یہ ملک بھی منجملۂ گور غریباں ہے

ہزاروں ہی سڑی سودائی اس نے کر دئیے پیدا
میاں جھکڑ یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہیں اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی
بڑا اچھا کرا ہوگا تمہاری چھوکری ہوگی

جو حال آیا تو یہ حالت تمہاری ہو گئی ہوگی
بندھ گئے پاؤں نہیں ہنگر ز گلے میں ڈھولکی ہوگی

شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو
وہ آئے ہیں نقاب الٹے ہوئے بے پردگی ہوگی

نگاہوں سے تمہاری ڈرنے والے دیکھی ہونگے
دکھائی آنکھ اگر مجھکو تو انگلی چونکدی ہوگی

اسے تو آپ ہی شاید کہینگے اپنا دیوانہ
کہ جسکے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی

میں سنتا ہوں کمر معشوق کی معدوم ہوتی ہے
وہ کیا شے ہے جو اسکے قتل پر ہمسے کسی ہوگی

گزر جائے گا کوئی انتظار شوق چلت میں
خدا کی مار پھیرا اب یہ کنگھی ختم بھی ہوگی

بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی
خدا چاہے تو ہر فتنے میں لڑکی مستعد ہی ہوگی

طواف کعبہ کر کے بھی مقدس جو نہیں ٹھیرا — خر عیسیٰ نہ ہو گا میر حجی کی وہ گدھی ہو گی

ورے یہاں کے لئے ہے پرے وہاں کیلئے — پچھاں ہاں کیلئے ہو زباں پچھاں کیلئے

کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے — میں صاف کیا کہوں تم جسے کہاں کہاں کیلئے

لگائے یار نہ جوتہ تو دل درست نہ ہو — یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے

میں چنکے لایا ہوں بیرام گھاٹ کے لٹھے — بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے

ہزار عاشقوں کا خوں کیجئے لیکن — کہاں وہ بات جو تھی تیس مار خاں کیلئے

یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے — دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جو بندہ یا بندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص۔ مگر او دھ پنچ میں کسی منقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے۔

دل سوے دلربا روانہ ہے — واہ کیا منقلب زمانہ ہے

جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق — مرد عورت میاں زنانہ ہے

جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن — میری شیریں کا وہ دہانہ ہے

آجکل کے حکیم ہیں عطار — سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے

مسی اسدرجہ گہری کتھو پی ہے — اُن کا منھ کالا حیل خانہ ہے

غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال — دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے

جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق — صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے - دلی کے ایک پیرزادے ہیں - مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے - آپ کا شاعرہ ہونا دودھ میں چائے کا ہونا ہے - سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں - دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطباء حیدرآباد کی نومشقی کے خطرناک نتائج - اور ایک چاندنی رات کی چوریاں - اور ہر جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے - مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اُردو سے نقل کی جاتی ہے - وہو ہذا -

بھلا کہیے تو کیوں سننے لگا تھا یاں مری | مجھے بلوا کے خود ہی آپ سُن لی داستاں میری
اندھیری ہی بھلا میں اسی کی قدر کرتا ہوں | شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہیں چوریاں میری
جناب شیخ مجبوری ہے تو اب دال حاضر ہے | کہ سب کام آ گئیں ہیں بتا بہ بتا مرغیاں میری
ملٹھی کاسنی کب تک کہاں تک خطمی و خیری | دوائیں اب تو بدلو اے حکیم نیمجاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا - قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الزعم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اوّل اوّل مضامین غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے" لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے اسکو اگھوری بنا دیا - گویا یہی اس کے بدن میں رچ گئی تھی - مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گدا گر پیر کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پا تراب کے جنگل کے کسی کوڑے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گو انھوں نے کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشتاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا چھیچھڑا تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اتحاد وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف کئے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

تو ہا چھی چھی ہوگی اک دن گو ہر گھیرا آبدست — مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک

گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار نجس اس ترک کو — لینڈیوں سے بند گیا ہے شیرستاں کا تپاک

موتنے میں تم چلی بھسکی جو کوئی چھوڑ دو — برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک (۱)

جب سے بڑا ہے شیخ کا مہتر لیسر سے ربط — بدلا ہے گوہا چھی چھی سے اُن کی قبا کا رنگ

پاخانہ اسکے فیض سے رشک چمن بنا — گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دھار سے بدتر ہے سمجھتا ہوں اُسے | کسکو دھمکاتا ہے چمکا کے دو دھارا قاتل
سونگھیں ہو گئی ایسی بری صورت منزع | ہگ دے دہشت سے جو دیکھے مرا لاشا قاتل
دست پر دست چلے آتے ہیں لے جلد خبر | ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل
دست بردار ہوا ان باتوں سے آجانے دے | قتل چرکیں کو نکر گو نہ اچھلوا قاتل
تنگ آئے ہیں دنیا کی گو ہا چھی چھی سے | ہو قبض روح نجس چھوٹیں اس عذاب سے ہم
فلک ہو طشت ستارے ہوں ٹھیکیاں گو کی | جو گو کے چھوت کو نسبت دیں آفتاب سے ہم
ہو اُسکی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کی خاک | یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم
بنا ہے چرخ بریں طشت کہکشاں کھڈی | ہگے گا کونسا شوکت نشاں نہیں معلوم
ہمارے پاس بنا تا ہی گھر جو اے منعم | ہمارے ہگنے کی کیا داستاں نہیں معلوم
ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں تم چرکیں | جہاں میں کسکو تمہارا مکاں نہیں معلوم
دماغ کو یہ خوش آتی ہے اُسکے موت کی بو | کبھی نہ سونگھیں اگر دے کوئی گلاب ہمیں
سڑے کیطرح سے گو کھاتے پھریں گے تنکے | جمال اپنا دکھا او پری شتاب ہمیں
کپڑے چرکیں جب بدلتے ہیں | عطر کے بدلے موت ملتے ہیں
بہنیں سکتے ہیں غیر ہمکو بُرا | اپنے منھ سے وہ گو اگلتے ہیں
کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذقن | نہ تو گلتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں
بزم جاناں میں پادتا ہے غیر | ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں
تیرے بیمار کے تلے غمخوار | پوتڑے دم بدم بدلتے ہیں
طبع چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے | گو کے مضموں جس میں ڈھلتے ہیں
سگ دنیا جو ہیں کب جیتے دو سخا کرتے ہیں | گو کبھی بلی کیطرح سے وہ چھپا رکھتے ہیں
گو ہا چھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے | گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا رکھتے ہیں
گوز کی بو سے معطر ہے چرکیں کا دماغ | تجھ سے امید یہ اے باد صبا رکھتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوز شترِ بیدِ محمل ہیں — پئے جمازہ گر مثلِ جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو تھا روہ ملا ہی اسقدر آئی گلس — مصاحب جانکر بیت الخلا میں یاد کرتے ہیں

اٹھاسے گو مرا کیونکر نہ مجنون شتی حسنیا — سعادتمند لڑکے خدمتِ استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کردیا مجبور یوں مجھکو — چلا جاتا ہوں ہگتا پادتا جب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے — رغبت نہ کرے گو یہ کبھی زاغ کماں کا

سُدّوں کو کہا بول سے اگر دیجیے تشبیہ — پاخانہ میں عالم ہو کبابی کی دکاں کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں رہنے نہ پائے — مہتر کو یہی حکم ہے اس آفتِ جاں کا

پھر گفتگو سے پوچ لگی آنے بیچ میں — پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا

گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال — بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تو نے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا — گل پہ پیشاب کیا ہم نے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ — گوز اک تو نے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے متوڑا طفلِ اشک غیر دامن میں تلے — موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں

پاد اونی سا ہے چرکین تار سے بولا وہ شیخ — دب گیا ہوگا وہ گھوڑے کے خس و خاشاک میں

موت کے کہتا ہے ہمسے اپنے کوچہ میں وہ گل — اس روش کی آبجو کوئی گلستاں میں نہیں

چرکین غرض نہیں گل و گلزار سے ہمیں — مطلب ہے پائخانۂ دلدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرضِ حال تو کہتا ہے گو نہ کھا — ہوتا ہے دردِ سر تری گفتا

کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے زر پیدا — تو بھی چرکین

گردنِ شیخ پہ رندوں نے رکھا بارِ گناہ — کھا

گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بول

کوچۂ یار میں بھولا ہے جو گوکر مستی

اُسکے رتھ خانے کی دیوار پہ لکھا

بیت الخلائے یار میں کیا غیر جا سکے | دہشت سا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا

پھوٹے بیٹھے ہر اک شہر شکستہ نیاں | جتاں مٹا گیا ہے رحم میرے مدفن کا

کیا کہیں تجھ سے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی ہو | چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

مجھ سے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا

طائر ذکر و مدح غیر بھی نا | کٹھل ہوں باغ جنت کا وہ تو را باغ رضواں کا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے

خواہش آرائش گیسو ہے چرکیں یار کیب | اور اندھے جھو جھ میں ورو زبیلے عندلیب

شیخ جی کو کہہ طبیبوں نے بتایا ہے پھول | دیکھنا ہو جائیگے گو دوں کے بیلے عندلیب

سامنے اُسکے نہ کیجیے گفتگو ہے اک کو دیکھنا | آج بنجوں ہیں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

تُنے گر ستم دستاں تو نگد کا رستہ

قبض سے ایسا یہ حال ہے نا آپ | نہ ہیں اِس پار نہ اُس پار ہیں آپ

شیخ صاحب سر مبارک نہ لاغر | اب تو بس مجھ سے کہیں تیار ہیں آپ

رند کہتے ہیں پیشاب نہ شراب | نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

اب کے چرکیں جو زر گیا

موتنے پر کبھی جو وہ ہماری تمام رات | در پر رہی کسیکی سواری تمام رات

تیرے گھر سے ن کی کہاری تمام رات | ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات

نجر ہو گیا قطع نخل محبت سے ہوا چناں | اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

نوجوانوں

روز و شب ہر ختم مدعیا گر تری تلوار کے پھل ہیں | تو کیوں منہ کھولتے ہیں زخم دامنداد کیا باعث

سامنے اب

ایکدن ہم اٹھے گی جو ہوا مجھ کو خلل آج | اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

بڑھی ہے حد سے فرقت سے اب یہ کمزوری — چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تجھے — نشاں مٹا گیا ہے رحم ہے مدفن کا
دعا چناں کی ہے یہ اسکا منہ بڑے یارب — چراغ اُسکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی — کٹھل ہوں باغ جنت کا وہ توڑا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب — اور انڈے جو بچے میں دو روز سیلے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں بکنے کو ہیں برگد کے پھول — دیکھنا ہو جائینگے کو دو ان کے سیلے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اُس کے آشیاں کو دیکھنا — آج پنجوں میں لیے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ — نہ ہیں اسپار نہ اُس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر — اب تو مجھسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب — نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات — در پر رہی کسیکی سواری تمام رات
گائی جو آکے اُن کی کہاری تمام رات — ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں — اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

سنتے تھے ہم کہ مرچیں گر تری تلوار کے پھل ہیں — تو کیوں منہ کھولتے ہیں زخم دامندار کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہوا مجھکو خلل آج — اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا گو ڈنڈ و لگا ہی وعدہ — کھانے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں علی آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا — منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح

بگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے — چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح

دیوار یار مینھ نے گرائی ہے دوستو — اینٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح

باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے — کنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح

دیکھا نہ ماکیان چناں کو کبھی کڑک — انڈے دیئے گئی وہ انیفور کی طرح

اعنی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد — سب سے جھکوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد

میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں — حیوان میں بھی ہوتا ہے یاوہ کو نر کا درد

چونے سے پک گئے ہیں یس آن کے منھ میں چھالے — پھولا ہوا ہی پورا گلزار منھ کے اندر

پانوں کے نام سے وہ کو پوچھا ہے میں چونہ — تیار ہو رہی ہے دیوار منھ کے اندر

یار کے رُخ کے مخطوط کے قریں کچھ خال ہیں — کچھ آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس

جو بناتے تھے مکان یار خاص — مر گئے افسوس وہ معمار خاص

دوسرے خیاط کی کیا جان ہے — سی نہیں سکتا تری شلوار خاص

گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا — لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض

کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو خوب ہے — وحشی ہیں یہ اگھیں تو ہے میدان سے غرض

ممکن ہی بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط — کھنچ آئیں سب آنتیں یا کروں کچھ چنیاں ضبط

گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے — ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط

جس طرح سے چھینے گئے ہتیار سبھوں کے — ہو جائے ابھی دل مضطر کی دکاں ضبط

ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ — ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میں بھی کہاں ضبط

آتی ہے فصل محرم جاؤ گھر گھر مانگنے — پر جلاؤ میری تربت پر جہاں سے پاؤ شمع

کس جرم پہ جلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری
دکھلا تو اگا ہی تری کچھڑی میں کہاں داغ

دل ٹیڑھا کیسا مری جان لپٹ گیا ہے
اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

مبروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے
دل دیتے ہیں جو نہیں دکھاتا ہوں جہاں داغ

فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم
المختصر ای یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھسے دوڑ کر
جسطرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک بورا بھر کے بیٹھا ای کوہکن
ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق
بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پر عاشق

جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت
کھجوائیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد
معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق

یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر
شغل مے نوشی میں کہتے ہیں کہ سانپ الگ

رات بھر رہتی ہے کھڑ بڑ لڑتی ہیں رسیاں
اے چناں او وہ کو بند نہیں آتے ہیں الگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل
گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
اس سے ہم بھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمل قاتل

تھک گئے ہیں لیٹے ہیں یار ہم
کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
کل چرا لائے تری تلوار ہم

رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر مٹر
بیچتے ہیں یہ در شہوار ہم

رات کا ٹی چکوے چکوی کی طرح
وہ رہے اس پار اور اُس پار ہم

قصر دل کی کچھ مرمت کا ہے قصد
مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں
ناک بھر بہنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق
ڈال دے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں اڑے جام شراب
چھنک جھولا ڈال اپنے چناں میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں — کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ — کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا — رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ — چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں کھال میں

اب چپنی بیگم جواں ہیں اے چناں — اپنی شادی سمجھئے اس سال میں

اسقدر بالوں سے رگڑا تن بدن — سر سے پا تک ہوگئے ہم آئینہ

شکل حوّا سی نظر آنے لگی — کیوں لگا یا قد آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے — میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے — کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں — جوئیں جھڑنے لگیں لاکھوں زباں سے

بلندی عمر بھر کہتا تھا یہ قیس — مری لیلٰے نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال — زمیں چپت ہو گئی ہے آسماں سے

ہے اُس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع — چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے — سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے

جسکے چبنے سے لہو بند ہوا سے صیاد — تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی — نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں — گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ سماں ٹھہر کے مل مل کے گاتے جاتے ہیں — میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجائے جاتے ہیں

چوں چنچ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالۂ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کرکے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے دھول دھپّہ پنڈت میں مولوی میں
اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر
چاول پکانے جا کر مرگھٹ پہ کھوپڑی میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا
الو نہ بول جائے دنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو
میری تو عمر گذری بس نو دکھنیسی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن
اب ہر ہوس کا بندہ آ جائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت
تہذیب نو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں

وہ دن بھی آ گیا ہے نزدیک اب کہ جبدن
دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اے چو ہچ تجھپہ ورنہ
یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپڑی میں

چہ خوش سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپنے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے
شام ہی سے جو درِ دلبر پہ سو جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی
کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیّت ایک آتشباز نے اولاد سے
زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مرجانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک
یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اسکی رسی کا درازی جسکی ہے ضرب المثل
اک سرا دوزخ کے اندر اک سرا تھانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نر نما
فرق اب باقی زمانے میں نہ مردانے میں ہے

مادر قیس نے لیلیٰ سے کہا سُن بیٹی ساتھ اپنے مرے بچے کو نہ حیراں کرنا
نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت یعنی ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا
لیکے خوش خوش تو چلے ہو مرا آئیڈیل کام بندر کا نہ اے حضرتِ انساں کرنا
ہو مبارک تجھے اے عشق کے پکچر سلیس قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا
کی ہیں اُس شوخ نے جیلر سے خفیہ باتیں اس چہ خوش کو بھی ذرا داخلِ زنداں کرنا

ایروپلین عشق کا جب سے اڑا ہے مجھے اک تل دیارِ حسن دکھائی دیا مجھے
ہے صاحبانِ عشق کو لازم فسردگی منی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا مجھے
مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے
کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی اپنے خدا کی مار لگی ہتھیا مجھے
ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے یہ کہا کچھ ایسا منہ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے
بیٹ قہقہے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے دشت میں اب کہنے لگا مجنوں لیلیٰ کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے
جو فیض جسے حکمتِ قدرت سے پہنچ جائے منصور کا پر دادا بھی منصور نہیں ہے
بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے
در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے
ٹھڈی سے چلی جاتی ہے بگٹٹ جو ترے تات دُم نور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے
ایجان مجھے ذبح نہ کر ہر مرے کرنا تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے
ہے عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حا حطی

حالی ۔ خواجہ الطاف حسین نام ۔ حالی تخلص ۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے ۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر ۹ سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا ۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور اہل قلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا ۔ آپ کے مفصل حالات جابجا ملتے ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے ۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے ۔ جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا ۔ جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا ۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا ۔ مگر ظرافت کو پھکڑ پن یا ہزل گوئی ۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا ۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود رکھا ۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں ۔ جہانتک غور کیا جائے مزاح اور خوشدلی کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں ۔ اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے ۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

گیاہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اُس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقولیکہ

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آے　　　جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گدگدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اُس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحانِ جوانی کی بہار آخر حیف　　　طبع رنگیں تھی مئے عشق کی جب متوالی

اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں　　　جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی

اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ　　　سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی

گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل ہیں آخر　　　نہ ہی چیز وہ مضمون سجھانے والی

ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں　　　لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی

کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر　　　کیجئے درد جدائی کی کبھی نقالی

پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی یہی ہو نہ مثل　　　قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو　　　تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیرزادوں میں　　　لازمی ہیں وہ اُس میں بھی سب تھیں

واہ وا سنتے سنتے یاروں کی　　　ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں　　　جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں

مشق تیر افگنی میں تھا مصروف　　　کر رہے تھے خوشامدی تحسیں

آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال　　　وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا
کب تلک اے ناتواں یہ حبِ مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ
ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح
زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیبِ دشمناں
آپ کا دنیا سے ہے عزمِ سفر

فقیہ شہر نے ایماں کی جو کی تعریف
تو دی چراغ سے اُسکو یہ آب و تاب مثال
کہا فتیلۂ اقرار باللساں ہے ضرور
جہاں ہو آتشِ تصدیق و روغنِ اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل
نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہیں جنکے ملاپ
دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انھیں حاجتِ اعوان نہ تلاشِ انصار
نہ انھیں خوفِ بد اندیش نہ بیمِ بدخواہ
پر نہیں رابطہ جب قوم میں اور یکجہتی
اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل
نہ مضیق اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا
تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں
دستِ قدرت کے ہیں سب ہاتھ سفید اور سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر
پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر
کر دیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اُسکے
فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت
تھا دل میں خدائی کا خیال اُسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم — اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا

کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا — جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا

کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے — نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا

باڑی[۱] گئی یہ ایک برس نیل کی رو میں — یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا

فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون — ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا

گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے — ہو جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آ آ کے جو لوگ — تمھاری ہر دم اے ارباب دولت

خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم — وہ گویا تمسکو کرتے ہیں ملامت

کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک — نہیں انمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بُری گت

لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج — وہاں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت

فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار — قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و مکنت

اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی — سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

---

[۱] دلی کے نواح میں باڑی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

بہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے ۔۔۔ تو اوبھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول ۔۔۔ جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ قصب جائیگی خطا ہمیر ۔۔۔ کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں ۔۔۔ پر آیا جب امتحاں کی زد پر ایماں
کی عرض کسی نے کیجئے اب کیا ہے صلاح ۔۔۔ فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہاں

ایضاً

ہر عشق طبیب دل کے بیمار دل کا ۔۔۔ یا گور ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر ۔۔۔ اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقی البشر ۔۔۔ یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب ۔۔۔ ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا ۔۔۔ کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ ۔۔۔ محتاج کر اسکو جلد اسے یا خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکا ۔۔۔ ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے ۔۔۔ سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم ——— سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت ——— یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیبِ دگناہ ——— کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت ——— لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں ——— سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال ——— تکفیر بھی کی کبھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت ہے شب ہی میں ٹل ——— اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک شیخ نے اٹھکر کہ حضور ——— ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا جس کا اصلی وطن بہار نیود رتھا۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طور پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخرالدین رحمہ اللہ کی داڑھی میں جمود اور شکل کو خضاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع
کو روش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔
تمام تذکرہ نویس اس کی خوش گوئی کے مقر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں
کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایلیٹ فیلن نے
اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۷۹۳ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ
کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے — بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
کیوں مجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں — میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں
آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ سیکھ بچے — ان تلک حجام ہی پہونچے نہ یہ حجام تک
خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں وہاں — حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کیا
قینچیوں پہ میاں پڑتا ہے تب سو گھڑے پانی — بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو
اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو حجام — چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمہارے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر — آج اس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہو گئی
لگ چلیے جو اس شوخ سے رستہ میں تو وہ اے — جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور رذالے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے
متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر
کیا ہے کہ غالباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا۔ ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام کیا نادر یہ حجام نے — شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی آفتا

اور غلام حید مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۷۴ء میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

پھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے
کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے

تمھیں صورت کا غرہ ہو تو یاں دل کی محبت ہے
تمھارا حسن مہنگا ہو تو کسکی جان سستی ہے

ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی
اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا
کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا

دیتا جاہے دیتا جا لیلی کے کُتے کا کفن
چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا

سیکڑوں دیتا تھا تا دیتے قیس سے پربند کو
تا دلیلے بھی اک کھوسٹ کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے
ہٹیئے ہٹیئے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے

آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر
اچھا اچھا کوئی لے دیجیئے خرگوش مجھے

گالیاں سنکے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں
اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے

ڈر گیا دیکھ کے میں اُسکی بھیانک صورت
جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے

اُن کے ہشیار بھی کر دینکا نرالا ہے چلن
کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے

روکے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف
آپ لادیجیئے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے تیس چالیس برس اودھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے ہم عصروں...

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے — سمدھن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے

ہوتی ہے ڈیٹرھی گر گردن سیدھی طرح سے بات — گھوڑے پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے

سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی — آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے

سو کھا ہی اس نے یار کو آتا رقیب کو — سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے

سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا — لائق تمھارے منہ کے کڑ ٹیڑا کہار ہے

حکیم مولوی محمد ارادت اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علما فرنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظرافت کی غزل روا روی میں سر مشاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر یہ ہی شوق سخن جاری رہا تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا — نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

لبید

بچپن میں چالان ہوا خوب پٹے — [illegible] ہم تم جو چلے [illegible]

لاکھیں چلاؤں گا میں بکھیر ساقی — مے پلا دی مجھے لوٹے [illegible]

حضرت دست جفا روکئے ورنہ اک دن — ٹکڑوں ٹکڑوں کئے [illegible]

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا
بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن
کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر
شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے
کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد دیکھیں نے ستانے کیلئے
باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ پیدا دل شیدائی میں
ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں

دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو
پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کتنا اٹھانی روز لنگوٹی باندھوں
ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو

آکر چڑھی ہے سر پہ جو ٹکٹی شباب کی
وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

یہ عذر کیا آنے اور جانے کی ٹھہرائی
دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چرپائی
پہلے سر زاہد پر اک زور سے چپکائی
دیکھا جو ادھر اس نے بندہ ہوا انگڑائی

جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علی شاہی
تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی بیبیاں کرتے

ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھر پکڑ
مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے

چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں
عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں *

پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہے عبث
اور بھاگو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
دندناکر گھس گیا میں محفل دلدار میں
منھ جونہی پھیر لیے دربان نے تیوریاں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں اے حکیم
یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا شعر بھی کہتا تھا مگر وہی اوباشانہ رنگ مدنظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا غرضیکہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طرح سے اسپر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور

عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زبے ہست مدہ　　زر جز بجوان رند سرمست مدہ
موسے سر زلف امرد از کف مگزار　　سررشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رحیمی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگین مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے اونھیں میں کا ایک یہ شعر ہے۔

اودھ لپٹے ہے نیچے سدا ہر عوان کے　　تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چند ربھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت — کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت — نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کسے فیشن سے تھامیں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے — ہوا میں بھر رہا ہے دوان میں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے — اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پرانوں کی وہی چالیں پرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

نیو فیشن کی دیسی چڑھ بنی ہے — سٹک ہاتھوں میں پاکٹ میں گھڑی ہے
نئی کالا ل قسمت کا دھنی ہے — وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی پیٹے غل مچائے
[illegible]

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں — کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں — پرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرمائے ہوئے ہیں — پری کے [illegible] میں آئے ہوئے ہیں
اُسے چھیڑتے ہیں اترائے ہوئے ہیں — محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ مس روزی بنایا　　بڑے دن کو کلب گھر میں سجایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا　　سمند ناز پر کوڑا لگایا

چپیر غش ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چلبل　　نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل　　نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گدرایا ہوا ہو　　جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو　　برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن　　کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن　　گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں　　کسی لیڈی سے ملنے کوشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں　　کرے سب ہپ کرے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۰ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون سنہ ۱۹۱۹ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے۔ ۲۴ برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گیا۔ قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا۔ انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے۔

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم — آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے

چھپٹ اور ہم سے لبرا برا ہنٹے دیکھئے — ہم بھی تو رات جھانک رہے تھے دیوار سے

سن کر پیام میرے وہ اتام یوں کہا — وہ ہی نہ ڈبلے پتلے سے یعنی نزار سے

معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب — یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے

خود مجھ کو تجربہ ہے لبرا ینہ رکیا کہوں — خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

کیا بُری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جب آدمی — آپ کچھ کہتا ہے منھ سے کچھ نکلتا ہے مگر

ایک منشی نے شتر خانہ پہ چوہا مو تھا — پوچھا اک انگریز نے تو کہا ہو تم کس کام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں — ہو گئے اسوقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شترخانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے — کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے — کر رہے تھے گفتگو باہم دگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو — کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب — وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح — اُس کی باتیں تھیں نہایت پراثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا — کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیّاح نے — میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے — سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا — کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے — سوچکر یہ اُس نے قصّہ مختصر
اُسنے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں — خدمت زمزم میں بھی گاہے گزر
سُن کے اُسکے منھ سے یہ سیّاح نے — سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں — روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب — ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت — کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستّرے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ — اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں — آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات — تب کہا سیّاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی — ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

دبنگ ۔ حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے۔ تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا   کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دگانا تخلص تھا ریختی میں۔ مگر متین اور عاشقانہ کلام میں منجور تخلص کرتے تھے منشی اسد اللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چھپرہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر دلند یزدں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوے کہ ترک وطن کرکے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ ادہی قدیمی وطن ہوگیا۔ چنانچہ دگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لیے چھپرہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لیے بھیجدیا۔ اور یہیں تعلیم پائی۔ دگانا کو ابتداے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثناے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبد الغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بہ عہدہ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر مامور تھے۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور منجور تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لیے دوسرا رنگ۔ ریختی بھی کہنا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہوگیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے   صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھپ کر لیا بھی گلے سے لپٹا کے   پھر لیا زانو میں داب مجھے
منتیں کیا ہزاروں قسمیں دیں   کرکے چھوڑا مگر خراب مجھے

ولی جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق زاغ دل کی کنکیا اڑانے کا ۔۔۔ بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریباں کی

مر اس ناز کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بُت نے ۔۔۔ ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی

سوالِ وصل پر جو یہ دم انکار رہتی ہے ۔۔۔ مری جاں آپکی گردن ہے یا گردن ہے ٹٹیاں کی

بگڑتے کیوں ہو سیدھا کہنے پر لا آؤ بیٹھو تو ۔۔۔ تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی

میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوش وحشت میں ۔۔۔ اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلی کبھی جھانکی

نہیں راضی کسی صورت سے چھولا جو لینے پر دل ۔۔۔ مگر ڈوری ہو شاخ سرو قد میں لف جانانکی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڈھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہوگیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش کبھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ١٨٨٥ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا ۔۔۔ مت کسی اپنے یار سے کہنا

اور یہاں دل کی بیقراری سے ۔۔۔ روز دو تین چار سے کہنا

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ بُرائی ہوگی ۔۔۔ پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلمیر منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے ۔ مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے ۔ اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات
کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو ۔ چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ
خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گڈی ۔ گوجر ۔ جاٹوں کے روزمرہ میں
شاعری شروع کر دی ۔ اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا ۔ مگر دلیر نے
اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ
مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے ۔ اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا ۔ دلیر کو انعام اور
خلعت دیا گیا ۔ بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا
مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لیئے اُن لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا
۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے ۔ مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس
رنگ کو ترک کر دیا ۔ پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں ۔ غزلیں ۔ قطعے ۔ مثنوی ۔ سبھی کچھ
کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہو گیا ۔ اور اپنی زندگی ہی
میں طبع کرایا ۔ آخر کار ۷۰ برس کی عمر میں انتقال کیا ۔ انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی
دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر
وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مراد آباد سنبھل ۔ چندوسی کے درمیان آباد ہیں ۔ کیونکہ دلیر نے
صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی ۔ بلکہ اُن کے طرزِ تکلم ۔ اُن کے طریق معاشرت
اُن کی وضع قطع ۔ اُن کی صورت آبادی اور بود و باش ۔ اُن کے جذبات ۔ اُن کے اطوار
اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے ۔ یہ ایک انتہا کے کمال ہے
اور اسی وجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تا وقتیکہ اُن کی
معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو ۔ اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان
ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں ۔ مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت
اندوز ہو سکے گا ۔ اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

اونھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا لک ہے ہے مالک — تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق اے میرے مالک — تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دنوں جواوے — تیرا انت کوؤ نا پاوے

تو راتوں کو ہلاک مار ڈالتا ہے اور دن کو زندہ کر دیتا ہے — تیرا بھید کوئی نہیں پاسکتا

تجسا ٹھاڈا کون ہے دوجا — جاکی جگت کرے سگ پوجا

تجسا زبردست دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

توہی لاڑے میگھ ملارا — توہی بوادے بونڈا مہارا

توہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — توہی ہماری کھیتی اور بونڈے بوآتا اور کاشت کراتا ہے

ہے مرے صاحب بکھسن ہارے — بہاڑے کھوٹے کاگد مہارے

اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمالنامے بدی کے پاک کردینے والے

دلیرا ہے تیرا داسی — توہی دیگا تازی باسی

دلیر تیرا غلام ہے — توہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہے

نعت

نبی محمدؐ رب کے پیارے — جگ پہ جاکے راج دلائے

خدا کے پیارے رسول محمد — تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگت میں آئے — ہماری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھولو اندھیرا — کرا اجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اوجالا کافی ہوگیا

گُران سریپہ کہدا کی بانی ہیں سنائی پڑھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہم کو سنائیں
پاپ گئے اور پن سوارے ہو گئے مہارے کل نستارے
جس سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ مہاری ماتا نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں دین و دنیا میں ہیں بخشش کرنیوالی
مہارے نبی کی پیاری جائی جا کی سینگ حوراں کہائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی جن کی حوروں نے سینک کہائی
باپو کی امت جن بکسائی مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے امت کھاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی جنہاں ملکوں دہوم مچائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم مچا دی
کر دیئے لکھوں نیم کے بندے ٹرلمہ ہو گئے ماڑنس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا　　جاڑا سے لگے سوڑ ماں دبس جا

آج رات کو ہمارے گھر رہ جا　　بڑی سردی معلوم ہوتی ہے لحاف میں چلا آ

چار پہر کا کاٹن کے ہے　　بڑی پھجر کے تڑکے نس جا

چار پہر رات کا گزارنا کیا　　صبح صادق ہوتے ہی اٹھ جانا

میں کرلوں تونے چمّا چاٹی　　تو سانتھڑ سوں سانتھڑ گس جا

میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا　　تو ران سے ران ملاکے پڑا رہنا

تو مونے بھولا پنچھی جانے　　تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا

تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے　　کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نارٹیں پھانسی دیگا　　کاہے کاڑن ناڑا کاڈھیا

کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا　　کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے

اک مٹھی دے پران لکاڑے　　موسوں ڈوڈھا بھا ڑا کا ڈھیا

ایک بوسہ دیکر جان نکال لی　　مجھے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا

کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا　　جنگلاں جنگلاں تاڑا کاڈھیا

کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا　　جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا

سو بریاں دلمیر عسک ماں　　ٹانگ تلے اوہ سارا کاڈھیا

سو بار دلمیر عشق میں　　مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا مار کے اپنی ناڑ گنڈاسا
تیری جدائی میں پیارے جان دیدوں گا اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے یہ مہارا سارڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے یہ ہمارا سالا اوت۔ بلاسا

آجا مہارے پاونا آجا دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے میت کسی کی پیت پچھوڑے کو ٹھی ناجا
ایدوست کسی کی محبت نہ کرنا محبت کو ٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرو مہارے ہی اوپر دھونسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی
ناہیں رہو من بیری بس کا پر گیو چسکا جوبنا رس کا
یہ دشمن. میرے بس کا نہیں رہا اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑ گیا
جد تیری پایل سیج بجے گی میں تو گوڈوں گا ڑا ٹھاؤں گا
جب تیری پایل سیج پر آواز دے گی میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں مو سے ہوڑ بدے گا تو نے لیلی ڈھگ بٹھاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا تو تجھے لیلی کے پاس بیٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جبڑ ہو گا میں تو سینوں مرمر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہو گا تو میں اشارے کے مارے مرجاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا — میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی) — میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پھلکا مانڈا — یو تیرا پھوڑا ناؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے — یہ تیرا پھوڑا نائی کا لڑکا

منھ جھریں دونگی دوارے نیاور کا — پلہ کھوسے سے ہے مہاری چادر کا
میں ایسے معشوق کے منھ کو جھلس دوں گی — چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے موسوں نے کے ستم پاڑے — گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھائے ہیں — سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوش کر لیے پیٹ مجنوں ہت تری وا دیکی لپیٹ — ہاتھ ہتکڑی ساٹھ من کی نار سو من کا کڑا
مجنوں آ ہماری برابری کر سہت تری لوی کی دم — ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور کڑا سو من کا

لا رے کلار کے پھول سراب — سیسا دکھے جیسوں گلاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلادے — شیشہ گلاب کی طرح سرخ سرخ چمکتا ہے
پاؤں پاگ کاکھ میں جوتی — ایسی دارو پیو زناب
پاؤں پر پگڑی اور سر پر جوتی — جناب ایسی شراب پینی چاہیے
کاڑا کا پھر عسک کجات — دیہی روکھ نہ چھوڑے پات
کالا کافر عشق بد ذات ہے — بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلیرا سر سہرا باندھو — چلو رے بھائیو چڑی برات
دلیر کے سر پر سہرا باندھو — بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نوسو پانی نوی — کٹھاسے رہے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نوشہ نئی دشی — اٹھالے رہے بڑھے ہاتھون ہاتھ

کرلے ری چمرو کی راج — اوہی چھلنی اوہی چھاج
اوچماری کی لڑکی خوب راج کرلے — چند دن میں وہی چھلنی ہے وہی چھاج ہے
موج مارلے سب مجھے اُڑا لے — جد لگ رہوسے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑا لے — جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یو دلمیرا جنم کا بھوکا — کدہیں نہ دیکھا مٹکے ناج
یہ دلمیر ہمیشہ مفلس ہی رہا — کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک — رہے مکدم ادت کے ادت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی — مقدم یعنی چودہری صاحب ادت کے ادت ہے
کہدے رے پانڈے ساچی ساچ — مہارے کرم کی ریکھاں پانچ
او برہمن سچ سچ بتا — ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے سیر د [illegible] کھول — بھرلو ناج سوں کوٹھے پانچ
[illegible] — پانچ کوٹھی اناج سے بھرلو
[illegible] اناج — جا بدہرنا بھرپے کلانچ
ایسی [illegible] اچھلو — جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
[illegible] پانڈا جھوٹ — سر پہ مارو جوتی پانچ
اگر [illegible] جھوٹ بتائے — سر پہ پانچ جوتے مارو
[illegible] پونچ — لاگے بڑی سہانڑی پونچ
[illegible] دم — بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑائے بیٹھے ٹانڈ — پھیرے گوپھیا کہیدے سانڈ

مچان پر بیٹھ کر کوے اڑائے — گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا

سب سوں بھلے یہ موسل چند — کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ

سب سے اچھے موسل چند — نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں

نیناں تیرے بڑے ملوک — ایک سیں ماں من دو ٹوک

تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں — ایک اشارے سے پیار دل کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں

گورے گال مکا کے پھلکا — جنھاں دیکھے بھاگے بھوک

گورے گورے رخسارے مکی کی روٹی معلوم ہوتے ہیں — ایسے کہ ان کو دیکھ کر بھوک بھاگ گئی ہے

پانوں جوتی سر ناپاگ — ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ

پاؤں میں جوتا نہیں سر پہ پگڑی نہیں — ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں

کے لاگو پھاگن میں سواد — مکا کی روٹی چنے کا ساگ

پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے — چنے کا ساگ اور مکی جوار کی روٹی

دوپیازہ ۔ یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے۔ جس کے پھڑکتے ہوئے لطیفے آجتک زبان زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دل چسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبد المومن تھا۔ خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔ ترکی فارسی عربی زبانیں نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر مسخراپن اور ظرافت استقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی نذر ہوگئے تھے۔ کوئی بات ہوتی۔ کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے۔ ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے۔ اکبر کے جلیس خاص تھے۔ ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ ہجوں اور

چبھتی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سُننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے۔ اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا۔ وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ مگر بیشتر فکرِ سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا۔ ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھپانیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے۔ کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا۔ کہنے لگے کہ بس اب دو پیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا۔ اور آخر کار یہیں پیوندِ خاک ہوئے ملا صاحبِ تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں۔ چنانچہ اتراک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف۔ النامہ۔ ملا نامہ۔ یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ گھونا ۔۔۔ ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا

شوخی نپٹ کرت ہے نک چھکی ہاتھ مل کر ۔۔۔ تیں تاک شیخ کیتی ایسی طرح ملونا

تالی کیا ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے ۔۔۔ ہم ورسے بغل میں پوٹا کہ لے اور دھونا بچھونا

دو پیازہ از دل و جان قربان چہرا نیا تم ۔۔۔ جو بن لے مدھو کا ماتا وہ سانولا سلونا

میاں پیم رس کا چاکھ بیٹھے ۔۔۔ ملت میں تن بدن پہ راکھ بیٹھے

شہ دو پیازہ کی دلداری کرتے ہیں ۔۔۔ مگر یہ گونا یا خداری کرتے ہیں

دو پیازہ سب ناکس ہنڈیا میں نکلے ۔۔۔ مکھی کے ہاتھ پھنس کر کے بیٹھے

... ...نی۔ لالہ [illegible] چند نام ہے۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں۔ مجھے مرزا واجد حسین یاس، یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مزاحیہ کے لئے ایک نیازمندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی اُن کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ اُنھوں نے بھی بر بنائے اخلاق وعدہ فرما لیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہوگیا۔ لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتذالی معنوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں — اسباب کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہد ہد بھی شاعر بن گئے — جانور کے سر پہ تاج اچھا نہیں

مرزا وجیہ اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر لطیفہ سمجھ کر نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

مانا کہ داغ بیٹھنے میں ایک ہی داغ تھے — اٹھنے میں دیکھئے تو مگر چار باغ تھے

حرف ڈال ہندی

ڈاکٹر۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دورِ موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کا کلِ پیچاں نے ڈالی ہے ادھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے
میاں کاہے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اٹھئے نہیں تو اب میاں آج سونے کی چوری ہونے والی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغنائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی۔ شوق و مہر دل کہ باشد رہبرش در کار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر ان کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپ پارے ٹاپ پارے ارے باپ رے باپ رے باپ رے باپ رے

سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایکبار ڈھینڈس صاحب نے ان کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد میں سات سو چھیاسی کی پئے تازہ شراب باسی کی

ایک مرتبہ کسی کے یہاں تحفۃً پلاؤ بھیجا۔ مگر وہ صاحب کچھ ان سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرا دیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معمول سے زیادہ رنج ہوا اور یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے بانٹیں گے فاتحہ ہے پلاؤ مدفون کا

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ ذکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر (مرحوم) دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت بھی سوقیت اور پھکڑ پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہوگیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظہ نے چند شعر محفوظ کر لئے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لیگیا — وہ بت کل مصلا اڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم — بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

نہیں کے عاشق کے واسطے ذاکر — گال سے سفید بال اچھا ہے
نہیں تمہیں زلف کی کوئی — آپ کا بال بال اچھا ہے

قبل کھلتا ہے اور پھر وہ چلا آتا ہے — خوب شامت سے ملا مجھکو اک ابر نئی خوبی

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں ۔۔۔ پھر وہ کس کام کا کمبخت ناڑی معشوق
بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر ۔۔۔ کوٹ مٹکنے میں دیتا ہی جو تاڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ذاکر ۔۔۔ نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف
قابل رشک ہے آزادی مار گیسو ۔۔۔ نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگان کوچۂ جاناں اب کٹکھنے ہو گئے ذاکر ۔۔۔ جو در بانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح - حکیم منشی محمد اسمٰعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محلہ بیا گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے - اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا - غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں ۱۹۱۱ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب کلام ظرافت یہ ہے -

نگہ میں کھٹار مرد محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے ۔۔۔ آچکا ہے اڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ
شراب پاک منہ دھو کر وہاں حوریں پلائینگی ۔۔۔ کہیں جنت نہ ہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا ۔۔۔ ذرا سے ایک پیسے پر تمہارا دم نکلتا ہے
دشت جنوں میں کبھی نہ پھرے ہم برہنہ پا ۔۔۔ یہ آبلے ہی پانوں کے پاپوش ہو گئے
میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے پانو ۔۔۔ چھٹی سے پانوں ہو گئے اک آن میں ہی پانو

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن
ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پانو

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا
اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پانو

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک
آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیم تن کے پانو

صد شکر پایا مرتبۂ غوث قتل سے
سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پانو

چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں عزیز
مفلس نہیں کہ میں کھولوں باہر وطن کے پانو

ذکی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہو گی نہیں تو اسے سمجھا دیجئے
گالیاں دیتا ہے روز آپکا درباں مجھکو

زلف پر پیچ کی الفت میں میں تھیٹر جاؤں
دیکھنے کو جو ملے بھول بھلیاں مجھکو

دی ہے سو مرتبہ جب یار کو پچی میں نے
تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی گنڈیاں مجھکو

جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری
کہا لیلیٰ نے کہ بھئی مارے گی اماں مجھکو

وصل ہو جائے چپڑ اس لئے کرتا ہوں فقط
ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو

اے ذکی گر گئیں نزلہ سے جو اُن کی پلکیں
نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا ساربان کے لئے
کہ بھیا جلد نکل چل شتر کو ہانکے لئے

نہ اُچکے کس لئے صیاد بانس چھوڑا ہے
یہ کوششیں ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے

بھنا دئے نہ چنے بھی ہمیں یہ کتنا تھا قیس
دو وقتہ توڑے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے اور الٹی دی — کہ ہوگی فاقہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے

یہ حال ہے ترے کشتہ کا ابتو اے جاناں — کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کیلئے

تو اس پری کی محبت میں گھوم جیا اے غیر — کہ تیرا باپ بھی لوٹو تھا تیری ماں کیلئے

کسے لگاؤگے تم تیر مر گیا عاشق — وہ فاختہ نہ رہی اب خلیل خاں کیلئے

اے جان جاں بتائیے گیسو کدھر گئے — وہ کون سے گدھے ہیں جو یہ کھیت چر گئے

ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو — منہ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے

سوتے میں لے گیا کوئی زلفیں تراش کے — وہ مجھ سے بدگماں ہوئے مونچھیں کتر گئے

طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشقو دل — پھر روؤگے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

ذلیل - نو بہار نام تھا - مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی - نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا - مگر تخلص کی مناسبت کو ہمیشہ مد نظر رکھتی تھی - یعنی ریختی کے فحش شعر کہتی تھی - دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں -

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہو — اپنے کرتوت پہ جب دم کو اتراتی ہوں

تمہیں اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا — ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا - شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے - ایک شعر مل سکا ہے - اسے مجذوب کی بڑ سمجھیے یا ظرافت جانیے -

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

ذوقی - میر عبدالواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہی کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا - نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے - اُن کے والد سید محمد اشرف موضع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے - اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے - اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام سنہ ۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے - مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے - مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرۂ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور بعض اشعار میں اپنا تخلص واحد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے - اس میں غزل - رباعی قطعے - مثنوی مخمس - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں - اور ایک شعر سے ابواسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے - جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے -

آنانکہ پردہ از رخ لوزینہ وا کنند	آیا بود تواضع صحنے بما کنند
نان از تنور بہر مُربا جدا شدہ است	لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست	اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید	پنہان ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش برکشیدہ اید	بار دگر بہ کیسلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را	بر کام دل ز محنت زندان رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار	نوشش کنید و تخلص خود را دعا کنید

شیریں نشدے ز الفت شکر نشدے گر	چشم نشدے سیر مزعفر نشدے گر

چناں بہ ادب دست ہمی داشتمش من
با شیر و شکر صحبت ہمبر نشدے گر
حلوا نفرودے بدماغ این ہمہ قوت
ذوقی ہمہ اجزا مش برابر نشدے گر

نقل بگیر بریاں یکدو سہ چار پنج و شش
ریزہ قند و سوہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب
کچھ برنج راں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
پیدہ و فقر سیب را گرچہ کہ ثقیل گفتہ اند
لیک نداند اللہ زیاں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہدانہ بام بکف گرفتند از کمال شوق
بوسہ ہم کشے اں یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پر از مزعفر و کاسہ پر از برنج و شیر
خوب نمایدم بیخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع لفظ اطعمہ وہ چہ خوش است ذوقیا
خربزہ ہائے خوش نباں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل ز ذوق برنیم بیتاب می گردد
کہ از یاد زلالی محو پیچ و تاب می گردد

ہر ہیں بر موسے چپاتی بہ دیدہ انصاف
کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیست
غرض ز موسم برسات او لمد پوندی است
وگرنہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ میشکر از خرمی بخود بالد
کہ آں او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکر اے ذوقی
آب گردید دل شیر بہ اللہ سوگند

حرف رائے مہملہ

Rahat

RAHAT

راحت - دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے - باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا - جو حاضر ہے -

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا
انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں ابھی
یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤ گی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی
تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے چو اپھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا تھا ہاتھ
نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے ہتھ کی بات

جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال
گھر میں آکر صاف کہہ دیتے ہو تم باہر کی بات

گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں
نند کی باتیں سنوں یہ ہے کہیں ہونے کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں
مجھکو تو بجی یہ بڈھا چو چلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری
دُگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان
غلام سے گئی بگڑی جنم میں تو تیری بو

رحیم - ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے - خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے -

اری نادان تیں اپنے سجن کو کیوں رٹھایا ہی — رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہی
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں — سکھی کو راس ہوئی ہے پیا سے کو جو بھایا ہے

رسوا ۔ خیرات علی نام تھا ۔ پنجاب کے رہنے والے تھے ۔ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا ۔ نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے ۔ غزل گوئی کا شوق تھا ۔ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے ۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے ۔ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے ۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں نکل آئے جنہیں سے متین ۔ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جا سکتے ہیں انتخاب کر لئے

نالہ کرے سنہ ہجر میں اختر شمار ہو — شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو
رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے — دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ اُدھار ہو

مجنوں کی رہی دست درازی ہی تو اک شب — سر مونڈ کے لیلی کو چڑھا دے گا شتر پر
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا ہوں — زنفے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پر
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں — اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پر

رحم ۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے ۔ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے ۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر ہجو و فحش کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرما دیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے ۔ کلام بھی بہت کم دستیاب ہو سکا ۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف ستھرے ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں، بلکہ بجائے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے گھر داورِ سبق کا — پھنسی ہیں مادہ وطن جناب لورِ یاقت
نہ اُن کی والدہ ہوتیں نہ وہ عشق مرا — خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی
پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ چربی سے — ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی
گذر رہی ہیں شبِ انتظار کی گھڑیاں — اُدھر رہی ہے سلائی مری میانی کی
شدتِ ضعف کا کیا ذکر کہ آگر شب غم — چارہ ساز آکے سہارے سے کھڑا کرتے ہیں
ہمنے سر ڈھانکا انھوں نے فیل پا کر دیا — اب وہ ہیں اور ہم اپنے خون کا دعویٰ کریا

رشک — ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس لہ وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کمیاب ہیں۔ منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۸۶۷ء میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھی جاتی

چاول الماس گوشت لختِ جگر — فرقتِ یار میں پلاؤ نہیں
میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب — پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں
اور کیا ہے ترا لعابِ دہن — ہے اگر قند کا چراؤ نہیں

اب کے جاڑے ہیں اور نالۂ و آہ — اس طرح کا کوئی [illegible]

یہ زمین غزل وہ ہے اے رشک — جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھکو بھیج دے — چھوٹا تری رکابی کا تو ر نسے کم نہیں

یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے — بنگلے بھی کان پور کے گور سے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں — رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً ہم نے بھی نہ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں [illegible] ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے [illegible] معزز انگریزوں نے اُن کی بیحد دل دہی اور تعظیم کی، اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ اس لئے [illegible] ہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا بادست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا [illegible] یہ تھا [illegible] پسال بہت سا حلوا۔ اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ تیسرا خبط یہ تھا۔ کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا۔ اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اسوقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس اصحوکہ کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔

الٰہی دانشمندی مرا دہ خدا	الٰہی تو امید داتی ترا
ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد	آب باراں کہ بحکم خدا نیا بند چہ کرباں آمد
خم غدیر را کہ پیغمبر دادہ و ملک داد	خریدار ملک را صلح سر تاج داد
و منصور حلاج بدار و دار انا الحق گوید	شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید
صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد	بنیاد جنگ کردہ کہ الیدرم خوشحال باشد
سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد	گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد
صورت نور کہ ارمنی در کلکتہ بسیار	خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار
زنان کلکتہ را آب بسیار	گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق کہ از وے شناس	خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں بیشتر تمسخر کا پہلو مد نظر رہتا ہے۔" انتخاب کلام یہ ہے۔

سکون اختلاج دل ہوا میں نے اسے پھانکا
سفوف عاشقی ہے نام خاک کوئے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا
کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار
حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری اونگھتے ہو رات دن
یہ تو بتلاؤ کہ افیون اس قدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رخ کی ترے سب کو ہو نصیب
قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج ملشکری چٹائیگا
سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا سامان قاضی جی
کنویں کا آنکھ کے پانی ہوگا اور میری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمٰعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - مگر عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مٹیا پوری میں مختار ریاست رہے تھے - اور ان کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے ان کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا - سنہ ۱۹۱۲ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا - ان کے احباب نے ان کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

مجھ پہ طوفان نہ رکھو چاہ کا چل دور ددا
جھوٹ سے منہ کا تری جائیگا اڑ نور ددا

ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیچا سی
تس پہ یوں گھور کے دیتے ہے مجھے مت گھور ددا

اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے
تیرے تالو میں آہی پڑے ناسور ددا

بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی
ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور ددا -

دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تونے
اور کیا چاہئے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں یہاں تونے گزاری اَنّا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے اُسے لا ری اَنّا

سوچ اس کا نہ ہو گر تجھکو تو پھر کسکو ہو
جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری اَنّا

آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ
روز و شب بہتے ہیں اب آنکھوں سے جاری اَنّا

ہونی جو ہوئے سو ہو بندی سے لگی شرطی
وصل کی اس سے زباں سے تو میں ہاری اَنّا

اُٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے تلین کے پاس
کہیو سب حال مرا میں تیرے واری اَنّا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں
دوگانا مینہ برستا ہے مہینہ ہے یہ ساون کا

کروں قربان میں اس شوخ کی جانی تری کرتی پر
دوگانا مجھ سے اُٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا

ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھ سے نہ ہنس ہنس کر
زناخی مارتا ہے مجھکو ڈورا تیری دلن کا

جدائی سے وہ چھل بل پے اگی حف نظر میری
وہ کون انساں ہے جو بخشش نہیں لیگی جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دیکے مروڑی انگیا
ہوگئی تنگ پچھادن سے نگوڑی انگیا

لے گئی کھول کے تو شب کے دوگانا ساری
ایک بھی میرے پہننے کو نہ چھوڑی انگیا

ٹھیک کچھ گھات پہ یہ ہے نہیں بی مغلانی
تنگ اس سے بھی ذرا سی ہے تھوڑی انگیا

نیند آتی نہیں کمبخت دوانی آجا | اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا
ہاتھ پر تیرے موئے کسکے ہیں چھلے کا داغ | دی ہے یہ کس نے تجھے اپنی نشانی آجا
بال ماتھے کے جو کتروا لیے ہیں تو نے | شکل لگتی ہے بُری آج ڈرانی آجا
غم ہے رنگیں کو نہ میرا پڑی اُسکے پیچھے | مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

دوگانا کو اور پھلو دیکھا جو لیٹے | تو پھر کیا گرج کر ہوا بھبوت خوجا
غضب ہے کہ رنگیں کا دل پھاڑنے کو | نیا روز کرتا ہے کرتوت خوجا

دائی تھی جو تیری گھر آسکے میں کل چور پڑا | ہوئی باجی وہ خجل چور کے گھر میں جو پڑا
دن دہاڑے جو چلی آئی تو میرے گھر میں | کل دوگانا ترے آنے سے بڑا شور پڑا
کوڑھ جن سے ہو دوا تو نے لگائی مہندی | تو ہتھیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا
تیری خاطر کروں کیونکر دوگانا پیاری | تھرا اُس بات کا لپکا ہے تجھے در گور پڑا

ہونٹ کو اپنے دوا تو نے بنایا ہے جونک | کیا مری چڑ ہے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حبشی چور نے یہ غضب ڈھالا کیا | چھپ کے مجھ سے منہ دوگانا کا مری کالا کیا
حیف اُلٹی رہ گیا جو میری تھی جوان چوتھی کے بعد | پیٹ آتے ہی جب رہ گیا تب یہ دسرا چالا کیا
کوئی ایسا ہو دوا انسیر کہ اترائی ہے تو | کوئی پیدا کیا نیا پھر جلاپے والا کیا
اے دوا کس سے کہوں رنگیں کی چلبلی زباں | پیر دوڑانے میں اس نے مات بنگالا کیا

میرے گھر میں دوناخی آئی کب | میں تنگ پڑی [illegible]

مبر میرا سیٹھتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چارپائی کب
کل زناخی تھی میرے پاس کدھر — اوڑھے بیٹھی تھی میں رضائی کب
وہ بنجتی تو گھر میں اپنے نہ تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور منگوائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو نوج — تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو نوج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے انّا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج
اگلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے نگین — اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند — جا کر دوا دو چھٹے کا لاری ازاربند
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن — بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازاربند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو آتا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا تجھے واری ازاربند
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لاکر مجھے وزر — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دوپہر
کیا گئی گذری ہوں میں ایسی کہ جاؤں دوڑ کر — اور مناکر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دوربار
ہو وہ دن ناپید جس دن مجکو بھاوے وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دربار

اُس نے ہمسائے میں آ کر گھر لیا تو کیا ہوا — اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دو رپار
دلپہ میرے نقش ہیں رنگیں کی ساری شوخیاں — اُسکی بھوائی ہوئی مہندی لگاؤں دو رپار

کروں میں کہاں تک مدارات روز — تمہیں چاہئے ہے وہی بات روز
کہاں تک سنوں کان تو اڑ گئے — تری سنتے سنتے حکایات روز
گئے ہیں مُرے گھر میں سب تجھکو تاڑ — کیا کر نہ رنگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی — کیوں مرے واسطے باجی نے سلائی پشواز
تو دوا ایک ہے اللہ رے او حرفت باز — قادری مانگی تھی تو دو طرکے لائی پشواز
رشک سے منہ پہ بسنتی کے گئی پھول بسنت — میں نے رنگیں یہ بسنتی جو رنگائی پشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش — جتنی گوئیاں کی ہے نباہ سے خوش
تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں — ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آوے مرے گھر میں تو مجھے جاوے لوٹ — جاؤں گھر اُسکے تو مجھسے کرے وہ پان دریغ
دل کی میرے مادی تھی کمبخت کہ اُس سے انا — نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ
آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے — کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہو کا — بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب میرے دوگانا کو مرا دھیان ہے کیا خاک — انسان کی انا اسے پہچان ہی کیا خاک

کشتی میں کیتی تیل کی انا انڈیل ڈال
سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال

یارب شب جدائی تو ہر گز نہ ہو نصیب
بندی کو یون تو چاہے تو کولہو میں پیل ڈال

شوق مجھ کھوج میں کو جو ہو اس بات سے کم
بولتی مجھ سے دگانا ہے بہت رات سے کم

مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ دوا
گات میری بھی زناخی کی نہیں گات سے کم

بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام
اور میں آگاہ ہوں اس حرف حکایات سے کم

کوئی میں کر خوب سی لال مرچیں
تتے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کہیگی مجھسے کچھ منھ پھوڑ کر باجی تو پھر
ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی ہاتھ چھڑا لیا

اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا
پہنیاں سنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شفقلین یوں چڑہیں نظر و میں تمہاری گہیاں
اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں یولی بڑا خاک چاٹ کر
گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں

ہیں حرفتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر
رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ
تجھ پر کہیں ٹپکی پڑے درگاہ کی گوئیاں

ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے
خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ چاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسری
کلمنی اس سے بھلا کب تک ہو ان میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر ۔ بچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہولی کہارو ۔ چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مرجاؤ سارے ۔ لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دھمک سے نہ پنچتی ۔ گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے سعز کے بس اڑا وہ نہ کیڑے ۔ سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی ۔ یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں آتری ڈولی سے یہ وہیں تمنے ۔ پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرد ۔ یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو ۔ سخت بیرحم ہے تو او ہی مر یجان گئی
بولے وہ آؤ گے کب میں نے تب آنسے کہا ۔ بندی ہر گز نہیں اب تا کہیں مہمان گئی
ٹیس پیڑو میں اٹھی او ہی مر یجان گئی ۔ مت ستا مجھکو دوگانا تیرے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی نہ تھا ۔ ہاتھ ملتی ہوں بری بات کو کیوں ٹھان گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ حقتل بازی ۔ یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
ہے رنگیں سے کہیو آنکھ لڑی کیا پر سمجھا ہے ۔ کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے ۔ تو اجی روح نکل جاتی ہے
کھو چڑا جا سے مری آنکھوں کا ۔ نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دیوانے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے ۔ میری کد کالی اجی گود بھری جاتی ہے

میری چھو چھبو کی اجی کوئی بڑھادے پشواز — بوجھ سے اسکے نبیجی وہ مری جاتی ہے
سامنے سسری کو کاکے پرے ہٹ دائی — تیری صورت سے وہ ڈر اپک گی رہی جاتی ہے
میری پروا نہیں رنگیں کو اری آنا جان — اُسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدھارے گا سنا ہے میں نے — جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی ادھٹے سے تجھے دوں گی بیاہ — لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اُسکی ناک پر — جتنی بڑی خدا مری اُنگلی کی پور ہے
شاید کہ ہوگیا ترا میٹھا برس شروع — کو کا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی — باجی مجھے اوڑھا دو جھاجھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے جو خوش — اور آپ اوڑھ بیٹھیں مسلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا — انّا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں اجی جس بہار میں — سر پر ہوا سے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑیو — کوٹے تلک جو سر سے مری ہلکی اوڑھنی
بھاری بنت ٹنگا دے کہ سر پر لگاؤ نہیں — سر پر مرے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے رنگیں کے دام میں ناحق — کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

نکھٹو کتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی — اتنا اتراتی ہے جوبن پر دوا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے — منھ چڑاتا ہے موا نسناجیا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر والا نکلا آج　　کیوں نہ پھروں میں اہلی گہلی او چرالا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی دو دا زاری نکر　　تیرے صدقے ہو کے مر جاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کڑھاتے تھے مجھے بھولکے دن　　ہائے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو　　تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور خنا کو بھاگ لگے　　اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے - چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں - اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں - عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں - طبیعت میں شوخی ہے - اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے - چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتًا درج کرتا ہوں -

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے　　زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے
حرم سے شیخ نکلے ہیں غٹرغوں کی صدا دیتے　　مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے
بگڑ بیٹھے عاشقوں کا آج سر کاٹینگے وہ شاید　　امین آباد میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلھاڑی ہے
وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں کوئے ناز میں آکر　　محلہ والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

+ لو وہ آتی ہیں لیا آنان کی بھڑکائی ہوئی　　ہائے دیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

اے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیما کے لیے — میری جوتی سے جو دھرتی ہو گدرائی ہوئی
اے ذرا اپچلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر — رکھی رہجائیگی یہ اٹھ ہی جو رسوائی ہوئی
دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو — باجی آج آیا ہیں کچھ جسکی ہی شرمائی ہوئی
شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن — یہ تو بتلا دو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بہنے کہیں نہاے بیٹھے ہیں — جدھر دیکھو اُدھر ہی عاشق بیلے بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر پچھتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابلِ افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کر تا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین میخوشی کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں اُن کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جاے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی میسری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بداخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھ پر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ہی یدطولیٰ کیسا — ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں ملنے کے نہیں — آیئے آیئے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید — میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگا لے ان کو — اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ — کوہ کن ہو تو ہوئیں تو کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا — اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دست شفقت اسطرح اک ندنے پھیرا ریاض — بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو رہیگا وہ جو ہونا ہے — ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپکے راتوں کو کہیں آپ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا — جب دام دیکے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش — سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چُن چُن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے — اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر شل تبرک کے یہ ساماں نکلا | آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا
نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی | قرض پی آئے اک دکان سے آج
کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر | شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر
جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا | مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں
حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلر خوں میں ریاض | کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں
یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب | بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوائے ہیں
اک ٹپ ٹپاری زور سے زاہد کے لے ریاض | اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں
بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا | ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں
کریں لگے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ | کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں
شیخ صاحب کیا چھپا کرے چلے رواں ہیں | کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں
مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں بایں ریش سفید | ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں
ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں | ایسے میں کوئی چھم سے جو آ جائے تو کیا ہو
اٹھاؤ مینا سبو ساغر ریاض جلد | آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے
دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر | یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے
ریاض آئے تو لوگوں نے میکدہ میں کہا | کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے
ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی | وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے
اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت | کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے
آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض | ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی
عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں تنہا لیٹیں | سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے
خم مسجد میں سے مئے ناب بھر جا رہے ہیں | ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے ٹھٹھرنے والے
واعظ انگور میں ہے دختر رز رو بہ نقاب | آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی
پی مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی
اور جو کوئی چپت کی آجائے

کاتب اعمال سے نکلے کام کے
مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے یہ وضع جنوں
جب چلے ناصح جھکے ہم بندگی کے واسطے

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی
گرہ میں دام نہ ہونگے ادھاری ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے
ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں تجھکو چڑھایا اے شیخ
پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرف زا

زاغ - تخلص تھا جناب منشی محمد مبین صاحب نازش بدایونی کا - ابتدائے شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش - کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے - مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پر گو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ شغلہ جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور دوسری نثری کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے - حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی کان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھ سے عرصہ سے ملاقات ہے - مگر کبھی کبھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لیئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری

جوایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا۔ جو درج کرتا ہوں۔ نازش کی عمر اسوقت تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔ مگر طبیعت میں جوانی کی شوخی اور دل میں اوائل شباب کی امنگیں باقی ہیں۔ تاہل اور خانہ داری کے مخمصوں سے بالکل آزاد تنہا گوشہ عافیت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مسّی ہے سوزِ ظلمت سے لیلیٰ شب نے ... ازار صبح کی میانی ادھڑ گئی ہوگی
رقیب ناپے گا لکڑی کے بل سرِ محفل ... جو اُن کے دستِ مبارک میں گڈ گڈی ہوگی

سنڈاس کی بدبو کا فغاں میں اثر آئے ... نالوں میں مرے نکہت گو رشتر آئے
وہ مجھسے یہ کہتے ہیں کہ کیوں میرے گھر آئے ... جوتہ سے خبر لوں گا جو اب کے اِدھر آئے
بھنگن پہ طبیعت کبھی دھوبن پہ طبیعت ... اے حضرتِ دل آپکے دشمن کدھر آئے
گرگٹ کو جو یاروں نے بڑے غور سے دیکھا ... نیرنگیٔ عالم کے کرشمے نظر آئے
دکان دلِ عاشقِ صراف پہ کل وہ ... دینے کے لئے مرہم داغ جگر آئے
بسکٹ نہ سہی نان خطائی ہی دکھلا دے ... مدت میں ترے عاشقِ خستہ جگر آئے
وہ مانگتے ہیں زاغ کے آنے کی دعائیں ... اڑتا ہوا دھند کا مارا ادھر آئے

لاش پر سادہ مزاجوں نے لا کا نوحہ ہے ... زاغ بگلا بن گیا میت پہ پھیری لوٹے ہے
پاک نسبت سے رخِ روشن کا زنانہ ذکر ہے ... غیر کو بھتیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈانٹ لگائیں صاحب ... واہ اچھی کہی یہ کام ہے معماروں کا
ضبط ہو جائیگی شمشیر ادا تیغ نظر ... آپ لیسنس نہ رکھینگے جو ہتھیاروں کا
سن کے یہ بات کہ ہے انکی سواری گدھا ... چرخ چارم پہ دماغ آج ہے گھسیاروں کا

میرٹھی مُلا سے یہ پوچھے کوئی — کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زاغی۔ دکن کے ایک مشہور ہزال تھے۔ میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے۔ گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔ کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں۔ مجبوراً خاموش ہوتا ہوں۔

زہیٹر۔ سید باقر حسین نام ہے۔ سُنا ہے کہ شاہ گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں سنگیں دل کے پاس — سنگ خارا کی ہے یا رکھی ہوئی سِل دل کے پاس
یار نے پالے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم — بھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس
ناک کے پہلو میں مسّہ گال پر ہے یار کے — اک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس
کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جاگزیں — دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس
یوں چمکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق — آگیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا ہوسے وہ — یہ سلیپر میری لٹکائے تو اپنے دل کے پاس
ہے جبین پُر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک — یا کھرل کا رکھدیا ہے بٹہ سل کے پاس
پھرتا ہے اسوقت زہیٹر اُس کے رخ کے ارد گرد — گھومتا ہے یا چکور اسم مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دست نازک کی ہوا کھائی نہ تھی — گُدگدی شیخ جی منتکش نائی نہ تھی
بے سبب کس واسطے پھسلا کر اپنے نظر — سبزہ خط عارضِ جاناں پہ تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی نہ میری قبر میں ۔۔۔ کاوکاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں ان کے آہو ہیں یا ختن میں ۔۔۔ یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن میں

زیرک ۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے ۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں ۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب ۔۔۔ ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب

ہمہ حمامی و دلاک بود اعلا لش ۔۔۔ مابقی دلہ و ساده دگر ارباب طرب

در حسب نامۂ شاں از ہمہ خلق جدا ست ۔۔۔ در نجابت بعزازیل رسانند نسب

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را ۔۔۔ ہمہ در جہاں چوں صفت رند روانہ طلب

یک ازیں قوم ندیدہ ست و نوبت کشمیر ۔۔۔ بر نگردد چو ز سوراخ بر آید عقرب

پے یکسبہ دو انند شتاباں بہ دمشق ۔۔۔ نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بہ حلب

بے سببی نیست اگر دوستی اظہار کنند ۔۔۔ بعداوت چو در آیند مجوئید سبب

در محبت چو ذباب و بمروت زنبور ۔۔۔ بسخاوت چو غراب و بہ شجاعت ارنب

جزو نظمے کہ کند خامۂ آنہا تحریر ۔۔۔ ہزج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب

گر کشند از تن زارت چو شپش خوں چہ عجب ۔۔۔ ور برند از کف تایباں چہ بعید و چہ عجب

کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمے ... لنگ و عمامہ تمامی بردازاہل عرب
تا نحی زاد د دنیائے دنی کشمیری ... کاش ایں قحبہ بستروں بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزیں نام وخطابش آمد ... در سخن یافتہ ریں جز دو زماں منصب
بیحیا آب نہ در چشم و نہ بررو دارد ... خاک او ساخت مخمر زپے خجلت رب
قلتباں چوں نہ دہد طاق عروساں ساماں ... میہماں جفتہ زنانند بجو البش ہر شب
ہمچو پیکان ہے دلش غیر دل آزاری نیست ... چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بہ فلک ہست نہ بروئے زمیں ... ہر بسر غانہ برانداز چو راس و ذنب
ساکن دیر شد و زائر بتخانۂ ہند ... غور کن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت ... کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ بزاد بہ ایراں ز وجودت شاید ... مادرت ام خبائث شد چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن ... رہ سوراخ نہ دید است ز نوبت عقرب
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید ... بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب

حرف سین

سب رنگ - قاضی عبدالغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے - ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے - چند شعر مل سکے یہ ہیں -

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی — لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

اسی سے تو نے مرے دل میں پھیر دی جھاڑو — تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن — ابھی تک آپکو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں چرائے گئے تھے دل میرا — اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی

سنا ہے میں نے تمھیں اب وہ کاٹ کھاتے ہیں — یہی سزا ہے رقیبوں کے منھ لگانے کی

سنا ہے پیٹے ہیں آج اُن کے در د اٹھا کر — سزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا۔ منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے - منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی - مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا - اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہوگئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی۔ منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابوالکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اردو میں کیا۔ جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظرانداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی۔

چھپے ہیں قہقہے جو شوخیاں ہیں ہر طرف — ہر جوہر سوفی المثل فرخندگی خندیگی
سال تاریخش ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت — شیخ چلی آگئے دنیا میں باسنجیدگی
۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم — تن زار گھسکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہوگیا — کیا امتحان عشق میں میں فیل ہوگیا
تن ہوگیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا — اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہوگیا
اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں — جانی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہوگیا
دیوانی فوجداری سے جھگڑے ہیں عشق کے — بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہوگیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند — دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا
پہونچا جب اُن کے کانوں تلک وہ دل ہلے — منھ کھولے تم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا — ساتھ سائیس کو لے گا ؤمیں فریاد کیا

بغلول کے مختار نامہ عام کا ایک شعر

سپردم بتو خویش مایۂ خویش را — وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

عزیزو حق تعالیٰ کبریا ہے — شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

ہوسے بچکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ گڑھیا   دہیں بہتے شل عیدک ہیں فایں غایب کہتے

سخی۔ تخلص سید پرورش علی نام۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ رند مشرب۔ آزاد مزاج۔ یار باش خوش خلق۔ پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے۔ بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ بھاکا میں انوز تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی۔ ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بوسہ للہ سخی مانگتا ہے ایک دیجیے گا تو دس پائیے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو   گالیاں دیں سر بازار یہ کیا

کہاں دل کو گھر بے محل جائیگا   ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا

مرے دل ہیں آنیسے یہ فائدہ ہے   ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام   انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں   میرے دیوار کا خدا حافظ

ایک ہیں جس کا نا [illegible]   دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

تو ہے شیخ جی [illegible]   [illegible] وہ بت کہیں خدا ہی نہو

دل کھلو : نہیں جو کہتے [illegible]   [illegible] یہی لیں گے ہم یہی لینگے

سحر مولوی [illegible] ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ [illegible] لکھی گئی ہے۔

طبا [illegible]   چمک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے

[illegible]   کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

نحافت میری پروردہ ہے کس انداز رعنا کی	کہ مجھکو خواہش دید تغافل کیش ہر آں ہے
زبونی کش ہوا میں کب ستم ہائے نہانی کا	مرا دل بھی گذر گاہ تجلی ہائے جاناں ہے
نہ کر منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو	کہ ہر اک نغمۂ دل پروردہ آغوش ارماں ہے
تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے	کہ وقف سادگی ہائے دل بیدرد خوباں ہے
نہیں ہے رابطہ الفت کسی سے جز حسیناں سے	کہ ہر اک بات میرا اک راز اک انداز پنہاں ہے
میں احساں کش ہوں کیونکر ترے لطف بے نہایت کا	غم آوارہ گیہائے صبا مجھکو فراواں ہے
وفا سے حسرت رنگیں بیاں سے عجب ارادت ہو	تعجب کیا سحر گہ خار چشم نکتہ سنجاں ہے

سرشار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علی صاحب ہنر تلمذ ہے۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اُسی کی برج میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں ۔

افیون پی کے کھائیں جو شیر کی ریوڑیاں	کیا مکھیوں کے ٹھٹے ہیں مجھ ناتوان پر
ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا پیش قیمت ہیں	اِدھر تھیلا ہے کولوں کا اُدھر ڈبا ہے افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد - وسیر کہسار - وجام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بیجناتھ تھا - جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے -

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے - مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں وہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں -

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے - اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اسمیں پیدا ہوگئی - مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کرلی - چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو
جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔
مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود
اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات
سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہوگئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے
اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسوم
ورواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اُن میں محاورات
کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد
لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ
مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف
پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو اردو کا عیب صاف اور کھلا
ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان
بن لندہور کی داستان خیال کرنے لگتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور
مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح
ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر
سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت
کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور
کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں
برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں
سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ
دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کی ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں یا ناشناسان ظاہر ہیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا۔ ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ ایڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پاکر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدرآباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظریفانہ کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کرکے لکھتا ہوں۔

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
داتا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوشرنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جسے پیئے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بنائیں خوب الو

فتوی کاشی کا کون مانے | لاکھوں میں پیے کھلے خزانے
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند | رندوں کی گرہ میں باندھ دے بند
لے منہ سے لگا لے جام بادہ | اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ | کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم | با ناز و کرشمہ و خم و چم
بجر خوبی ز پاے تا فرق | ہنستی کھی ہوئی انا البرق
پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی | ابھرا سینہ کچوری چوٹی
پازیب کو خوب چھم چھماتی | پیاری پیاری کچیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان | جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی | اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان | میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو دے کے آپ کھاویں | بیٹھے بیٹھے مزے اوڑاویں
ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ | جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ
اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن | تسلیم جناب قبلہ من
بڑکے تشکلام پر درم ہو | شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دہرم کو کھٹکا | سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یار دنیاے دوں ہے کس کی | میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو دسکی | کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن بدیان بے خبر کو شرمانا چاہئے جو خواہ نخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی ۔۔۔ دے چھپیہ چھکڑہ دوبردی
اے کاگ جہندہ لیمونیڈ ۔۔۔ دے برق جہندہ بریگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی ۔۔۔ دے روکش ٹانگن پہاڑی
اے درتگ دپو برنگ دلدل ۔۔۔ دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں ۔۔۔ دے برش خنجر صفاہاں
اے جوشش ابال گرم ہانڈی ۔۔۔ دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت خفچاق ۔۔۔ دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانہ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانہ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور حرفہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت مُعرّا کی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مُشک رنگ شب فام ۔۔۔ دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی ۔۔۔ ٹپکا منھ میں افیم ساقی
چنیا بیگم کا عاشق زار ۔۔۔ یعنی خواجہ بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی ۔۔۔ رہجاے یہ آرزو نہ باقی (خوجی)
ساقی قدح افیم دیدے ۔۔۔ اور اُس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھ جائیں ۔۔۔ اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو گنے بیٹھوں اشعار ۔۔۔ پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے　　دشمن میرا تباہ ہو جائے

سطریں ہوں رشک زلف خوباں　　اور روکش کاکل حسیناں

ہر لفظ بنے حبشن کی دولھن　　اور خواجہ بدیع شوہر ان

ساقی چینی کی پیالیاں لا　　آب اسود کا جلوہ دکھا

کر رحم پلا افیم چینی　　نادت بہ کشتم کہ نازنینی

ہونٹوں پہ آگئی مری جان　　رنجم مفزا سے بامدادان

تو بے خبر اور میں ہوں رنجو　　اس ملک کا کیا یہی ہے دستور

ہے میری دعا کہ خالق کن　　برسائے تری دکان پر حسن

مجمع رہے وہاں افیمیوں کا　　دل بادل چیونٹی مکھیوں کا

بیماری موت بد بلا ہے　　بس اس کی افیم ہی دوا ہے

مر جاؤں گا گر نہ دے گا افیون　　سوگند بذات پاک بیچون

پیاری ہے افیم جان و دل سے　　پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوجی (خواجہ بدیعا)

پلا ساقیا مالوے کی افیم　　کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم

کرم کر حقیروں پہ مائی ڈیر　　میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر

پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا　　جھلک آب اسود کی مجھکو دکھا

نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ　　نہ چانڈو نہ دفیون کا مجا نہ بنگ

جلا لے دم واپسیں اے کریم　　سرہانے پہ کہہ قم باذن الافیم

نہ تا خیر کر ساقی مشک رنگ　　پلا جام افیون ابھی بیدرنگ

دم مفلسا عیش بے رنج و غم　　پڑھوں یہ کلام فصیح عجم

کرم یا ترحم بہ حال سقیم　　کہ ہستم اسیر کمند افیم

جو ٹپکے مرے منھ میں افیون ناب — تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب

سنیاں ز افیون پر میخورند — سنیاں نبات و شکر می خورند

نگہدار ما را ز راہ خطا — خطا در گذار و افیم بما

ندارم بغیر از تو فریاد رس — بدہ جام افیوں باقی ہوس

خراب و سیہ مست و تر دامنم — بدہ اوپیم اوپیم اوپیم

بدیعا بس اب روک لے اپنی زباں — دم صبح ہوتا ہے پینک کا دھیان

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر — قرولی سے خالی ہے میری کمر

قرابینچہ پاس ہوتا اگر — تو کج کرکے میں بھونک دیتا مگر

جو پینک میں ہوتا نہیں بے خبر — تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں شکر کے ہیں — چسکے پڑے ہوئے تری میٹھی نظر کے ہیں

کھٹیاں وہ کھا کے رات گئے توشے مل گئے — افسوس مفلسی میں مرے دو ڈبل گئے

رحم اے یار کرو گو ہیں گنہگار نہیں — ہم بھی اے غیرت شیریں ہیں وفادار نہیں

کیا تری کاکل پیچاں کو کیا نظارہ — سو کس واسطے بل کرتے ہیں نظارہ نہیں

میرے حلوا سب کو تو قند بھی ہے تیار — ڈالوں شکر تو ترے التے بتے ہار نہیں

بیسے پائیں جو مرے گل کے لئے شیر سی کے — قند گھل جائے شکر خور کو انکار نہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوتی مہنگی اکی — جا بجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں
کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد — بارے لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں
عرق آلودہ وہ ابرو ہیں مزا ہے اے دل — ہے عوض آپ کے شربت انہیں تلواروں میں
لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح — دھوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں
کیوں نہ باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہو یار — صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحاں کو بہ کاری میں سا رہیں ثابت قدم — جوتیاں جسدن لگا کر چاہئے جاناں دیکھ لے

افیون کی کلم میں یاں سے نکلے — تو قبر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپنے انسیم کا رنگ — سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک نہ دل کی سب کلی جاسے — او دائرے وائے گٹ چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا — نشۂ افیوں کا بڑھا ہے یہ عمارت میری
کیوں نہ سترک میں سہے گرد ہر اک فیونی — ڈھیر گنّوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری
کہتا ہے خوانچہ فرنی کا گذشتے کا طباق — ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت میری
ٹوٹ سکتا نہیں افسوس تھا سا مجھسے — تھم گئی کھا کے مٹھائی یہ نزاکت میری
میں یہ سمجھا جنتی دیکھ کے حلوا سوہن — جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب وصل میری

مصری کی ڈلیا چلکے صنم بیچے انیم — ہے جائے لطف کھیت میاں نیشکر کے ہیں

سرپٹ ۔ محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں ۔ نقد ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے ۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہوسکی ۔

میں نے اس شان سے اُس شوخ کو اکثر دیکھا ۔۔ ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا
بھونکتے کاٹتے اب تک نہیں دیکھا لیکن ۔۔ موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا
آج تک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا ۔۔ ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا
کس طرف یار کو اب ڈھونڈھنے جاؤں سرپٹ ۔۔ ہم پولیس میں بھی کئی روز برابر دیکھا ۔

خط لکھ کے کیا کرے کوئی آنکی جناب میں ۔۔ لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں
ہر دن کی باندھ بوندھ سے واعظ نجات ہے ۔۔ ہرتال آپ کیوں نہ ملالیں خضاب میں
وہ اسطرح تو عارض روشن کھا چکے ۔۔ ماچس ملے تو آگ لگا دوں نقاب میں
یہ کالے کالے تل رخ پہ نور پر نہیں ۔۔ کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں چینی کی قاب میں
پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے ۔۔ اب بھیک مانگتے ہیں وہ جام شراب میں
آئندہ پیل ست سے بھی بڑھ جائیں کیا عجب ۔۔ بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہد شباب میں

تڑپتا ہے دل وحشی مرا یوں انکی فرقاں میں ۔۔ کہ جیسے بانگ گھا جا بھینسے کی نیستاں میں
تجھے پیچ پیچ کا یوسف کیوں نہ کردوں یوسف ثانی ۔۔ گرادوں آج لیجا کر کسی ستے کی کوئیاں میں
کوئی تدبیر وصل یار بھی لکھتے تو ہم کہتے ۔۔ چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی گلستاں میں
منڈھا پایا ایک پر فنہ میں جو سر دو مرتبہ اپنا ۔۔ اب اُن سے کیا کہوں دل ہے تمہاری زلف پیچاں میں
وہ اپنے چھوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں ۔۔ کسے ترجیح دوں آخر میں لیبر اور ٹیاں میں
تری یاد اسطرح آتی ہے دل میں اے مسیحا دم ۔۔ کہ جیسے آلٹر ہر صبح کو آتا ہو زنداں میں

ملا دل ڈھونڈھنے کا خوب موقع آج حسرت کو ۔۔۔ وہ کہتے ہیں ہمیں دیکھو ہماری زلف پیچاں ہیں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ چھچھندر ہو ۔۔۔ یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے بڑے خر ہو
پڑا سے پر رہو مرگھٹ پہ ہو جنگل کی سڑک پر ہو ۔۔۔ کہیں تو دید اُس اُلّو کے پٹھے کی میسر ہو
کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی ۔۔۔ اگر ڈاڑھیل ہو دلبر تو کم سے کم چقندر ہو
الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوئے جاناں سے ۔۔۔ بغل میں بستر ہو اور کھٹیا اُس کے سر پر ہو
تمہاری گول آنکھیں لال منھ اسٹول کی بیٹھک ۔۔۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو
یہ کیا بندر کی صورت ہم لائے ہو لاتے سے ۔۔۔ ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو
عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو در در پر ۔۔۔ خدا سمجھے تمہیں معشوق ہو یا اُس کے نوکر ہو
ستانے کا مزہ میں بھی چکھا دوں انکو اے سرور ۔۔۔ جو میرے ہاتھ میں جوتا ہو اور انکا گنجا سر ہو
وہ ننگے پاؤں آدھی رات گلیاں بابجی پھیکر کر ۔۔۔ ہمارے ساتھ بھاگ آئیں تو کھٹ پٹ ہو نہ جھگڑا ہو

سرکوب ۔ دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اسی ٹائپ کے ہیں ۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہمرے یار ماں ۔۔۔ مارو تو موت الے ہی جھٹ سے اجار ماں
کیا بتائیں ۔۔ ہیں ۔۔۔ ازار

سب کا جگائے دیت ہیں چرچراے کے ۔۔۔ لیٹا کرب نہ آج سے سارے بیار ماں
۔۔۔ چپال

موڑھے پر اُہکا کو کے بڑی دھاگ جاب ۔۔۔ لگا جو کو تو ر دج اکیلا بجار ماں
گردن پہ ۔۔ اسکو ۔۔۔ لگیا جو کیسدن

کریا ہے رنگ ایس مے یانکے یار کا ۔۔۔ ہوی جاے رات دن کا جھگڑا بجار ماں
کالا ۔۔ ایسا ۔۔۔ دن کو

دو دن سے ہم کا دیکھ کے وہ بڑبڑا رہے لاگ ۔۔۔ چلاے دیت تنکو جو چھیڑ دیجیا رماں

چلاے دیتے ہیں تھوڑا سا

دوئی دانت گھس گئے نکسا لہو ہے باپ رے ۔۔۔ دانتن سے ایسے جو رماں کاٹس ہمار ماں

نکلا ۔۔۔ زور کاٹا

مارے ڈرن کے بھاگ گئیں لیکے اپنی جان ۔۔۔ دیکھوں لہو بھرا جو ہیں اُسکی کٹار ماں

کر من سے چہرہ کا ڈیل ملا ہے تارڑ سا ۔۔۔ وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کب ہمار ماں

بھیتر اندھیری کوٹھری ماں ہم کا ٹائے کے ۔۔۔ گھنٹن سے لاگ ہے سر اپنا سنگار ماں

سر کو پتا را تو ٹا کرت ہے سکار تک ۔۔۔ موتی پروت ہے جو وہ مونڈے کے بار ماں

صبح ۔۔۔ سر کے بال میں

سعدی - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا - مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا - بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہیں کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے - بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی - آپ کی تعریف - اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کا مخفی واقف ہے - آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے - اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی - کہ حضرت نے خود فرمایا ہے - کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو - مگر میں نے انکار کیا - یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہوگئے تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے - اگر سعدی کا یہ کہنا تسلیم نہ کیا جائے تب بھی قابل الزام نہیں ہیں کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں -

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

ان کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں - مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں - بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں - بہت سی جگہ الفاظ فحش ہیں مگر ایک ایک لفظ میں سینکڑوں زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ ان کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھ دوں - ملاحظہ فرمائیے -

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے لڑکا اور غلام کے لئے یہ قید لگا دی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن — بود بندۂ نازنیں مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبراتے ہوئے اٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید — خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب — آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اسکی آستیں پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھا دے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا - اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلا گیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہو گئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آ گیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا داڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے مبتلی ہو گیا تھا - اب وہ غمزے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس کلی ملنے کے لئے آیا۔ بادل ناخواستہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آنروز کہ خط شاہدت بود ۔۔۔ صاحب نظر از نظر براندی
امروز بیامدی بصلحش ۔۔۔ کش فتحہ و ضمہ برنشاندی

تازہ بہار تو کنوں زرد شد ۔۔۔ دیگ منہ کاتشت افسردہ شد
چند خرامی و تکبر کنی ۔۔۔ دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست ۔۔۔ ناز بر ان کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ نوخیز پر آوازہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است ۔۔۔ داند آنکس کہ این سخن گوید
یعنی از روئے نیکواں خط سبز ۔۔۔ دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گندنا زارے ست ۔۔۔ بسکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجاں داشتمی ہمچو تو بر ریشش ۔۔۔ ننگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاند کو چیونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا ۔۔۔ چہ شد کہ مورچہ بر گرد ماہ جوشیدہ است

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیرین است ۔۔۔ تلخ گفتار و تند خوے بود
چوں بریشش آمد و بلاغت شد ۔۔۔ مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ ان سے نوجوان بیبیاں خوش

نہیں رہ سکتیں -

پیرے کہ زجائے خویش نتواند خاست   الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ - ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی - مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے - آخرکار دونوں میں جنگ ہوئی - اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا - عورت نے علٰحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی - بڈھے نے سرعدالت عورت کی بڑی مذمت کی - اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا - پوری حکایت یہ ہے -

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے	خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دخترکے خوبروے گوہر نام	چو درج گوہرش از چشم مردماں بنہفت
چنانکہ رسم عروسی بود تماشا کرد	ولے بحملۂ اول عصاے شیخ بخفت
کماں کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت	مگر بہ سوزنِ فولاد جامۂ ہنگفت
بہ دوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت	کہ خان و مان من ایں شوخ دیدہ پاک برفت
میانِ شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں	کہ سر بہ شحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست	ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی گفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں - مگر ہزلیات جو از سرتاپا شوخی اور تمسخر سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہوگیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں -

آں شیشہ را چو باد در بوق افتاد	آں گنبد سیم رنگ بر داد بباد
از بہر ستارہ زاویہ وقفے نکرد	ہمسایۂ بد خدائے کس را مدہاد
آں عہد بیاد داری و دولت شاد	کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز کہ بختی کہ کس چوں تو نبود دامروز بیامدی کہ کس چوں تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر بر می آید موئے زنخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں ... ن تو می آیم یاد آیم بدہاں ..... بر می آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زار مینالید کاسے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ببری رونقِ مسلمانی

خدا ایں حافظانِ ناخوش آواز بیامرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو در دشت کس نمی گنجد کہ دیر شد کہ ندیداست ایں دوا امید
ترا دوات سیہ کرد روزگار ہنوز مرا ز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر برد در فسوق و فجور بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلی گر صومعہ داری کند اندر ملکوت ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی دارد
ناکس است آنکہ بہ اعمر و دستار کس است دزد دزد است اگر جامۂ قاضی دارد

امردے کانزا پلاسے در براست   خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد   چوں باز کنی مادر مادر باشد

در با مردکے دہر بہ گزاف   کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم   چہ خوش باشند ہم زانو و ہمدم
ہر انچہ آنزا بود ایں را مہیا   ہر انچہ ایں را بود آنزا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے   بسحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف   دگر بار ایں موخر آں مقدم
گر ایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر   نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوست دارم   اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروساں مقنع بے شمارند   عروسے را بدست آور معمم
کہ گر بیرون کنی شلوارش از پاے   تو پنداری کہ خرواریست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار   کہ محرم ل نپوشاند ز محرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار   ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں ہیچ است دیوار   حدیث دشمناں بادست و پرچم
ہر آں کز پشت آدم زاد ناچار   رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز   رہ این است لے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چوں تو در اسلام   کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دو دست تو یک ہفتہ بتھاہند ہفتہ دگرت ریش تا میاں باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع تا خایہ فرو بری سرشس را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست راست مانند اسپ شطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم بکویت بشکار رفتہ بودی تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کئے گئے ہیں مگر اکثر اُن میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز ادر موقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنج لاہور مدت دراز تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا۔ آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے۔ اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بولے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو ہے چاہے کا دریا ہو کر
عکس خورشید نظر آئے کلیچا ہو کر

اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر
انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر

شوربا قاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر
حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر

لطف کھانے کا جو آیا ابھی تو بھوکا ہو کر
سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر

اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی
چاہے نسخہ میں لکھی جائے منقشا ہو کر

کوفتے خواب میں بھی جو تو برہمن کھا لے
توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر

عقد بریانی کا جس وقت مزعفر سے ہوا
لٹ گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر

فرقت قاب میں کی میں نے اتنی زاری
کھل گئی ریش بچارے کی تماشا ہو کر

نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو نجات
پہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر

اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فروغ
قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر

ہو نہ معزور سر دار پہ چڑھ کر منصور
چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر

خشک سالی میں نہ رکھ سوختہ امید پلاؤ
پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی۔ عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب، خندہ پیشانی، زندہ دل لوگوں میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منھ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور اُن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے ۔ مرزا مہر اکبر آبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخرکار ۱۹۰۹ء میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا ۔ دیوان مرتب ہو چکا تھا ۔ مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا ۔ جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں ۔

واہ وا رے ملک الموت تری باریکی ۔۔۔ گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر
معشوق بچہ زاد سے سفلی خدا بچائے ۔۔۔ کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھ کر
میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلئے ۔۔۔ اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں
بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں ۔۔۔ نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب ادا میں
انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں ۔۔۔ ستم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں
اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا ۔۔۔ مجھسے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں
عروسی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے ۔۔۔ دہلی جسطرح سے بیت حسنا دلیا ٹھہرے
کہا کرتے ہیں پا سنگ میکشوں کو حضرت واعظ ۔۔۔ بڑی داڑھی بڑھا کر یہ بنے اک پارسا ٹھہرے
نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ ۔۔۔ کہ چکلے پر نہ بیلیں اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے
کریں اشراف کیا فرمائیے اس قحط سالی میں ۔۔۔ نہیں تنہا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے
چڑھا دو گل مرے مرقد پہ اے گل اندامو ۔۔۔ یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زن خال کے لئے
بتاؤ مجھکو بھنگیڑ و کدھر گئے میکش ۔۔۔ بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کاوان کھولے
آیا صاحب کے ہیم سے مس کے ۔۔۔ دل اٹھاؤ ل ہیں نازکس کس کے

سودا ـ یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شیدائیانی کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہوگئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام جل رہا تھا۔ اس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم ادھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیرالمالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آرہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہوگئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کیا بات پر چل گئی تھی کہ اِدھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے ۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام　　کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں　　جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھا تو اب کسیکی ہجو میں　　ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر　　جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال　　تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی　　شیر خر با قرص کافور ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا　　ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی لئے　　وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر سے تو شریر
رحم مادر سے الٹ نکلا ہو میر

سن تو ٹک اے نصف انساں نصف خر　　ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق　　نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں　　جاتے ہی مانگے ہے اس سے ماحضر
عقل کہتی ہے کہ کھلے پر نہ کھا　　حمق کہتا ہے کہ جھڑکے سے نہ ڈر
سید اے میر مثلث آپ کو　　کہنا آتا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر سے تو شریر
رحم مادر سے الٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے ۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے ۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھروایا ۔۔۔ بیوچہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بڈھے چونٹے کو چبالایا ۔۔۔ تب شیخ سدوا پر غصہ کو کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی ۔۔۔ بے آج کو کہا ہے کل دو گے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا نتو نے گودی ہے نہ کالی ۔۔۔ بی بی کو اور تم کو گھر دیکھ ہے خالی
بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی ۔۔۔ میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی ۔۔۔ گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحا نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہے کوڑی ۔۔۔ گر ٹکے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منھ کو دھیلے کی ہیں گنڈیڑی ۔۔۔ تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے لنگوڑی
بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منھ کو میٹھا تجھ سے ہمارے کرنا ۔۔۔ دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاے اپنی پرند دیکھا بھس کا ہمارے بھرنا ۔۔۔ بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی میں ہوں تو آرنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو ہیں منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے ۔

نائن کہے ہے شرم سے دولھا ہے سر نگوں ۔۔۔ اب کیونکہ تیل دے مقدس کے بالوں
شانہ کروں میں ریش کو یا وسمہ سے رنگوں ۔۔۔ جی کی امان پاؤں تو اک بات میں کہوں
منھ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے ۔۔۔ بارہ برس کی چھوکری یادا بجاتے لائے

آے دولھن کے گھر سے جو مقنع میں منہ چھپاے | جیسا ہاتھ آے کسی کو خاطر میں وہ نہ لاے

اپنے کئے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف | سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف

اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف | مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجے معاف

مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب ہیں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست | مشکیں پڑا اینچ گئے جورو سے کیکے جست

بال آسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی اسکے دست | عہدلیے برنہ آے تھے ازبس ضعیف و پست

پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو یہ صحبت ہے اب مدام | بھڑوا مسخرا دو چھند رہے ان کا نام

خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو وقت شام | دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام

بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں پورے مسخرے وہ ہے شوخ چنچلی | ماری کبھو تو دھول کبھی داڑھی نوچ لی

ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی | کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اس طرح کلی

پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے جورو کہ ہے برات کی ہوا | دس بیس دن چھڑی کو ہوئے منہ نہیں کھلا

آتی ہے اُن کے پاس لئے تیل اور توا | کہتی ہے یہ نہ مانئے گا آپ اب برا

ہم تمکو شیخ دولہا بناتے ہیں شیخ جی

جب گھونگٹ نکال وہ بن کے چلے ہی لٹکتی چال | آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس ادا پہ حال

عمامہ سر سے پھینک کے ہوجاتے ہیں ننگ بال | تب مہربانگی سے یہ کہتی ہے وہ چھنال

اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک دن شیخ چوت کو جورو سے جا لٹے | کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے بٹے

کہتا ہے چاند خاں کہ یکن نے حرام فیل — حلت پہ مینڈکی کی میانجی کی سو دلیل
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آگیا۔ اُسنے بھی مجبوراً ایک کند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوسے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بننے کا — کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بننے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بننے کا — بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بننے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں نے ہنر — نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر
جو اور بوم ہو سو مادہ یہ لگے ہے نر — جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بننے کا

میں کاریگر ہوں اُٹھا دیکا سب پہ ظاہر — جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص سے ہو کچھ باہر — تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر
عجیب شور مچاتا ہے الو بننے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ہالتف کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرائع کام میں لاتا ہے اور

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجو گویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی ۔ بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھی۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے۔

لے خیرہ بے تمیز برندق لوندِ عک — بے رزق و کاخ خوار لکد کوب تنک
گہ خوار و چوں کلاغ دسیتے چو غراب — غربلیہ گرچو صوہ دچوں ماکیاں کرک

....

ہر صبح باد گوز بہ پشت قشوں قشوں — ہر شام باد ...... پلک پلک

سوز ۔ تخلص سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلّی میں ایک محلہ قرادل پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہونچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے ہزار حیف — اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دہلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی پھر مرشد آباد چلے گئے جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی سنہ ۱۲۱۱ھ میں پیوند خاک ہوئے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہی چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان اِدھر تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوئے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے | سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پری رو | ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا | کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان | بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ | لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو | سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا | تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منہ ڈال دیکھو | کہ تم نے اس وفا پر ہے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر — وفا لایا ہے دست تیری جرأت کی

کچھ کہہ تو تا عہد آتا ہے وہ ماہ — الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا — استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے تیرے یار کی ایسی تیسی — آزماتا ہے تیرے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف — طوطا ہمارا اڑ گیا کچھ بولتا ہوا
یار گر صاحب وفا ہوتا — کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
چلتر شش نیا عشق کا رکھا تو — زبردستی مرا دل لے لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں — ہمارے ہاتھ میں پوچھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں۔ منشی حبیب اللہ نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہا۔ شوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہوگیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی خندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ [illegible] میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکمائے یونان تریاق سموم تاثیر القلوب۔ اور گنج شائگاں مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شائع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شائع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو ہدیہ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو　　شیخ منہ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا

توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ　　لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور

آنکھیں کھلیں پھوٹیں ہاتھ تو ٹیڑھا تیرے دنیا　　چشم عشوہ زادگی تو ساقی نازنیں پکڑی

سنکے بیماری سوزاں کی خبر از رہ درد　　لگے کہنے کہ بڑا پاپ ہے خدا خیر کرے

سر و سامان نہیں ہم سے مہیا ہوتے　　ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی بابا ہوتے

سیدؔ۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید نے ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب تھے میں بھی صرف اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دغا باز ونیسے ہم ڈرتے نہیں　　دیکھ کے جان جبہ اور جھولی آپ کی

ہم فریب دینے والے سے بہت آگاہ ہیں　　کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی

کام کرتے کیا نہ تھے جو کچھ ہمارے سو گئے　　بھنگ چھانی رات دن افیون گھولی آپ کی

خاصے آزادوں کے حلقے میں داخل ہیں میاں　　سیکھ لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپ کی

پھر کرم فرمایئے یہاں اے شیخ جی مت بوجھیو　　کل فضیحت سخت اس محفل میں ہو لی آپ کی

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علٰحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ ۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا ۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۃ یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف ۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں منیجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے　　　آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

۔ آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر ساماں انبساط ادھر ادھر لئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے۔ ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے۔ پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجۂ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب پر اثر مضمون اخباروں میں چھپا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہر گز نہیں ہے اب شرط لابدی قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہمنے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی ناصح قوم اس ہماری مفلسی کا تو مداوا [illegible]
یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے یہ سب بیکار غم اس سے بہتر ہے گھر میں بیٹھے [illegible]

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے مغربی تہذیب [illegible] ہوئے
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر واہ کیا [illegible] [illegible]

شیخ نے یکہ کیا لالا نے بیچا تیل گڑ — وہ پھرے وردر تو یہ کرتے رہے بسنا پیپل
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ پونجی بٹ گئی — ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالا نے مول

شمشاد ۔ شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں — عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں — یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا — یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگون مجسم یا بھسرا خوں — کسی مہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق — دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کہ لگ فرقان چشم ستمگر آکے جگر میں کھوپ لگی — آہ کہ ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ
وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوق جنوں نے کل دن کو — آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدمے بدا ایسا ہی چھپٹی کا رجا ہے — نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے — دودھ ملیدا

شوکت۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی۔ اور ملک کے نہایت موقر شعراء و اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے۔ غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ اور اس میں بھی آپ نے دنگلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش — تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا۔ دلی کا رہنے والا تھا۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ — دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سانڈ
نازنینوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں — کیا کوئی چاہئے عاشق ترے انداز پہ سانڈ

لے گیا دل کو بغل میں داب کر — بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے

ننگا ہی کر دفن مجھے اپنی گلی میں — ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیروں سے یہ بولا — کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں — ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا　　　جو تو عیار ہے بیرحم ہو تو میں بھی شہباز ہوں

شہباز۔ اسم گرامی مولوی عبد الغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبرآبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبرآبادی کی سوانح عمری ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نُوْرٌ عَلیٰ نُوْرٌ ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کما حقہ نہیں مل سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیانِ بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا و لا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میدان تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ سے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے — لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں
اے۔ بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں — تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں
نیٹا مٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو — پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں
از بسکہ تھے یوکلڈ کے تھیورم پر ابلم — اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں
تھا تکیۂ کلام کی صورت زبان پر — کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں
القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے — بی۔ اے۔ ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں
ہمت بڑھی کہ کیجئے بیرسٹری بھی پاس — رکھ کر عرب میں حبشیوں کے ہول شمول میں
لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا — حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ببول میں
آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس — کھٹکا کیطرح عشق گھسا دل کی چول میں
بال اسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی — ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں
گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو — قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں
پھل سیب نے لگائے تھے قامت کی شاخ میں — رنگت بھری تھی روز ان عارض کے پھول میں
دیکھا جو یہ بجا نہ رہے قیس کے حواس — لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں
مجنوں کو دھن کہ جلد ہوں اسکی وصال — میری پڑی تذبذب رد و قبول میں
میری کے کورٹ شپ کا بڑھا تازہ ذوق شوق — لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک دھول میں
مشابہ ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب — لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہمنے پوچھا یہ اپنی قسمت سے — دور کیوں ہمسے گنج مطلب ہیں
کالی رنگت ہے کیا محل سیں — کالی رنگت سے گز ہیں شب ہیں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند　　شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں

کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب　　جن سے روئے بتاں مزیب ہیں

کالی رنگت سے گیسوئے جاناں　　لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں

کالی رنگت سے ابروئے خمدار　　تیغ و خنجر ہیں یا بصفت عقرب ہیں

کالی رنگت سے پتلیاں دونو　　چشم کے آسمانپہ کوکب ہیں

رنگ کے زیب سے مسی کاجل　　راحت چشم و زینت لب ہیں

کس طرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں　　فائدے کحل کے مجرب ہیں

زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ　　متفق اسپہ کل مہذب ہیں

حجر اسود کے منہ ہی بوسے　　بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں

پاک کعبے کے کالے کالے غلاف　　سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں

گوری رنگت سے گر سبب اسکا　　ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں

رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع　　ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں

ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ　　جیسے ابرص کے معذب ہیں

شکل سے سنکھیا شکر کی ایک　　جتنے ابیض ہیں سب مذبذب ہیں

فرض کر لیں سفید کو گر دل　　دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں

پتلیاں گر سپید ہو جائیں　　ہر قدم پر قدم مذبذب ہیں

رشتۂ مندوں میں خول اگر ہو سفید　　داکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں

رنگ نقرہ بڑا ہے گھوڑ نہیں　　اسپ شاہد صفات مرکب ہیں

اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار　　کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں

سچ بتا انپہ کیوں تو ریجھی ہے　　ہنسے غمزے ترے یہ کیوں لب ہیں

بولی قسمت فضول سب تقریر　　ایسی باتیں نظر میں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرتِ انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا بولی مرغی بچۂ کمفرٹ وایز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ہے ڈزیز
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر پھر وہی مرغی بولی چپ بھی رہ اے بدتمیز
وہ زباں جو ہو زبانوں کی گرو بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کنیز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں جبتلک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
حبذا شہباز کا حسن کلام مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹریز

حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشاء کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش بمراحل دور۔ و طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہر چند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ اما درخصوص اینکس نظر بفحش دہر لش خلاف عنوان ناخواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید۔" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ اُنکی طرف ہاتھ بڑھائے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کرکے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو پہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت — شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ کر
دیکر عرق مکوہ کا پادا بدل لیا — صندل کا ریت دیکے برادا بدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے اندنوں — بازی جو دیکھی مات پیادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل لنگ سرخ سے | کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سنا جو چکلے میں گئی تھی ہر چولہے پیر | زمانہ چاہا کیا جب تلک سجال رہا

رات روشن سے اندھیری کوئی کچھ کر گیا | اس نئی گرمی کو سنکر میں ہنسی سے مر گیا

دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھسے جو تم ٹھونک کر | ریچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو پیار کرنے لگی | خوش ہوئے مہتاب اس سے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر | کوئی ماکھو بنی کوئی بچپا

آج صاحبقراں کی آمد ہے | چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہوکر | ہزاروں بار رکھوا تم ہے پانی پانچ لانے میں

دھونسا لرا جو بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں | غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو لور تن کے یار وشتاب لوٹو | آئی ہے رج یہ کرکے دوڑو ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نور جلی ہے حج کو | اب تو سوچو ہے کہاں کے بی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننھی کی ہے بے مثال آنکھ | چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے | میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

زاہد نے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں | جو روسیہ ہیں کیا آنکھیں پڑا بسنت میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے | ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کیلئے

پدوڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی | کبھی توپ اور توپ خانہ نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف | تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی لینے بالی او میری بھولی بھالی | ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں | اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی

منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے | باتیں نہ کر رزالی او میری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو دال خشکا | ٹھوری ہے یا سفالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے ۔ ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
صاحبقراں کی خاطر لازم ہے تجھے ماننا رادن کی ہے تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ سخت وہ قحبہ مالزادی ہے
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
وہ ہاتھ میں لے کے احسان آپکا کیا پکا جو بیل یار ریت کے باپ کا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے پریوں پہ نہ عاشق ہو ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تمسے بوسہ پر کس کے بوسہ کا لشان ہے تو کہا تجھکو کیا
ہے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا یہ سدا غنچے اور پیار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی اگنا بخشی سے دل ہے صاحبقراں میں میرا
وہ سادگی تری نہ رہی اب نہ کر غرور چھینٹی کی تشتری ہے ترے تئیں بال آگیا
مجھے بھاتا ہے جنگو کا نشہ میں بہکنا اڑ کھڑانا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا دیکھ نورن کا مکر اور حیلہ
اسکی چھینٹی کو پکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا چھینٹی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
کل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ نکتہ ڈالا مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہے جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب سے ہاتھ اپنا جا پڑا ہے دل سپرد و زد و ستم صاحبدلاں خدا را
مجھے برفی سوا بھاتا نہیں کچھ پڑا ہے جب سے ان مٹھوں سے پالا

آگئے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا   اب جو رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت رہنے کا اسپنے طاق رہا   نفس شوم اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لہو پیا کرتی ہو دن رات   منھ لال ترا کیوں نہو ایجان شجا کا

کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں گھر میں ہو   وہ ہنسکے بولی چھچھوندر ہوا ہوا نہوا

اگر ہاتھ آئے بھی ننھی سی چوہیا   میا کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

منگا دوں چھچھوندر اسے چھیڑنے کو   الہیا اگر گائے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی   جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے   قدر جاتی رہی جسوقت دلا اگلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی   جب وقت پڑے تو دغا کیا

کسبی کنے ایک سے ہیں ہم تم   کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو   جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند   رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے   دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بہکانا آج   صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں   اتنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہو ٹخ ٹخ   وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہے ٹخ ٹخ

نہ دھر مٹ ہو نہ پٹہ ہو کہر وا ہے نہ ٹھمری ساہے   کہیں جو مست ہوتی ہو تو پھر گاتی ہو ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑا یا کر   گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گوز ہے یا کہ ہے صاحبقراں آندھی آئی   ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں چوٹے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی   میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کرلے   نہیں رہنے کی بے شوہر آجاگر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش — اُن کے اخلاق خام پر پاپوش
آشنا رسوا کیا محبت نے — آشنائی کے نام پر پاپوش

کہا کملو نے کچھ بپھر کا کے اپنی — جو الو نہ سمجھتی ہوں بیل تو بیل
خر گوش تیرا ہوش میں بندر سے کم نہیں — ہر خانہ زاد تیرا چھچھوندر سے کم نہیں

گو سوکھ سا کھڑ ظالم اچھو رہو گئی ہے — لیکن ہوئے نہ اب تک تار و کے دانت کھٹے

دیکھو بھوری یہ موہا عاشق ہے — پدمنی بھینس چوہا عاشق ہے
مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو — گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے
روز لاتا ہے ماش کی پوری — کیا کروں میں پدوڑا عاشق ہے

رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی — اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے پہچانی ہوئی
تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے — خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی

میکدے کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے — میکدے میں آپ بس افیون گھولا کیجئے

بند ہو جریان کب امساک سے — سیل جو رک سکتی نہیں خاشاک سے
گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں — کب اُٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے

صاحبقراں سے مغلا کہتی تھی نہ خفا ہو — ہرگز نہیں ہیں لائق تیرے چھوڑنے کے
میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز — یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے

کہا صاحبقراں نورن سے میں نے — ہماری سمجھیو تو عیب پوشی
خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ — جواب جاہلاں باشد خموشی

صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ — لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ
پر جب ہوا احتلام بولے حضرت — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آگئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیماں شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تا حین حیات زندگی بفراغت

گزاری۔ جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اور یہیں شادی بھی کر لی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کر دیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔ تین چار کتابیں مشاطۂ سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے۔ اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بجائے خود ایک چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں۔ ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں — جناب عشق بھی اب بوریا بدھنا سنبھالے ہیں
خدائی بھر سے خبط زال دنیا کے نرالے ہیں — یہ وہ بڑھیا ہے جس پر سے لاکھوں مرنے والے ہیں

ابے او سپر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے ہمیں سے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری دنٹ سی گردن نکالے ہیں
یہی لیلےٰ کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رو سیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ٹیں نے یہ بھی ہے چاٹ ہونگی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھکر یہ بو میاں بولے
ہجاڑوں موڑا اس ہنسیا سے تونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا بوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
ٹٹے ہی ننھے منے ہیں ٹٹے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ تارو دل سے بھی یہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی دھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جانمن روئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دھجیاں اڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب کی بہار آئی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری نانک بے طرح اب چوتی لگاتی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

ثقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں پھول والے ہیں

نجانے دو جہاں خم پر حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر دو مٹ پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سہ بان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جس دن مجھے وہ چاند گنجی کر کے چھوڑونگا
گلی سے آپکی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں [illegible] رشک لیلیٰ ہوں وہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم [illegible] جاتے ہیں غیرت سے
جو تھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

سنبھلتے [illegible] عشاق کو زلفوں میں بل دیکر
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچا [illegible] رقیبوں سے
گئے پر سوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے — سرِ بازار سینہ کھولکر تنکر نکلتے ہیں

یہ چپٹ سالے کی کہتی ہے اک مس کی باڈی گر — پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں

رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قحبوں کی — گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپکے زیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر
بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کر کے تیس پنتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کبر سنی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی شخص نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی کہیں جیسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں پتہ نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا التلانکہ کرد جہلا نکہ　　　　کل تو پچی پرا بیہ فرو بکا سرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل ۱۹۰۰ھ کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں بے پیرمہرباں ؎ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بے شک — غلط کل مصلحان سفدت انگیز کہتے ہیں
برا ہے ہماری پالیسی ورلاٹھ صاحب کی — کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی مبحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں — قلعی شدہ ہو جیسے کوئی اجبت مسی
پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج — میری طرف سے کیا ہے یہیں صرف بے حسی
کہنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ — یورپ میں جاکے دیکھئے کوئی میری پالیسی

ضیغم ۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشہ اسد اللہیاں منم — روباہ را حریف غضنفر نمی کنم
کو مرغ سدرہ کو زغن تعزیتی — طوبیٰ بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طاء مہملہ

ظریف - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑ پن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار
اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہو کر

ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی
رنگیا سارا جہاں بیچ سنبھالو ہو کر

نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سرزد مجھسے
کام بیٹھے کا بھی کر لیتا ہوں کدو ہو کر

پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں ظریف
جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر

نوچ کر وہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا
پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا

کر دیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے
انتہا یہ ہے کہ بندر آکے روٹی لیگیا

دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں
جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں

مرا بستر ہے سر رہگذر ہے
نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے

مرے طائر دل کو کیا سیکھے گا
فقط چوں چوں ہے آہیں پر ہے نہ در ہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اُس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اُس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال کے

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیا[illegible]ب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور سرستان امارد پرست کے لیے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در دیدۂ من آکہ بہی ازثقلینا ‏ پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا

جز وصل تو مطلوب دلم نیست نگارا ‏ گر دنیا و عقبیٰ دیہیم فی المثلینا

با من دلخستہ اے دلدار جنگیدن چرا ‏ تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا

با مسلمانان مسکیں کافریدن بہر چہ ‏ با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا

تا آفتاب چہرہ عیانیدۂ مرا ‏ اے نوبہار حسن خزانیدۂ مرا

الا اے مہ کہ زلفت می کمندد ‏ دل من در کفت می مستمندد

بدفع چشم اعدائے تو طرزی ‏ دل خود را در آتش می سپندد

تا ابروئے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما ‏ نشناختند خلق کہ چونیدہ ایم ما

قامت خمیدہ و دل چو نقطہ سیاہ داغ ‏ از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما

گہ در فراق روئے تو کاہیدہ ایم ما ‏ گہ چوں کتاں ز حسن تو ماہیدہ ایم ما

افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا ز لطف ‏ حبل المتین زلف کہ چاہیدہ ایم ما

در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ ‏ ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما

اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم ‏ بکانون ہجرت کبابیدہ باشم

خورد خواب بر من حرامیدہ باشد ‏ اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم

گر از جملہ چاکرانم شماری ‏ ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرافؔ شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ وہ ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے ... خرید و گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو کی تھی لئے پھرا برسوں ... تمہارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے حکیموں کو خوب نسخے یاد ... جو عشق ہے تو معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا ... ذرا سا کیوں میاں ہنستا منک بیٹھنی ہے
کفن میں چوہروں سے اپنے باندھیے پھر تال ... سنا ہے جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گٹھا گٹھا کے سر آتا ہی غیر داوے شوق ... بنی جو یار کے جوتہ پہ کامدانی ہے
نہ ہے کسی سے رفاقت نہ کوئی اپنا ہے ... میں جیسے مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین ہیں بیٹھے کوئی دکان کھولی ... صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا ... ضرور شیخ جی جورو تمہاری کانی ہے
تمام لے گئے سرکار لاد کر غلہ ... شکم میں آپ کے گھو میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں ہو خفت ... نہ کھینچیے کہ لنگوٹی بڑی پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پہ آپ سے کیوں نہیں مرتے ... غضب کی آپ کے ظرافت پر جوانی ہے

ظریف۔ میراں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ و بخیریت تھے۔

ظریف۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوئے وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمھاری چاہ مبارک ہے عدو کے لئے ۔۔۔ اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں ۔۔۔ ٹھکے کو آتی ہے بدبختی یہاں وضو کے لئے
بتائیں کیا تمہیں صرف کفش شوق جمال ۔۔۔ ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نکی اپنے فائدہ پہ نظر ۔۔۔ کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھو کے لئے
ملو جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات ۔۔۔ چلن کے چوک ہے کسکے لئے شاو کے لئے
تمھارے لال کا دامن نکل گیا مریم ۔۔۔ منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریفیت ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں ۔۔۔ تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہے ایماں کا ۔۔۔ پھسلنا چار سو اچھا نہیں ہوتا ہے انساں کا
نہٹے مارتی ہے اسپہ بچے پیار کرتے ہیں ۔۔۔ تعلق کسقدر گہرا ہے بلی اور انساں کا
بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیوی ۔۔۔ ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بخیہ کیا ہے سارے دامن پر محبت سے ۔۔۔ لگا دو اچھی بیوی تم گریباں میں بھی اک ٹانکا
بھلا منجھلی بہو کیونکر نہ سب کے دل پہ گھر کریں ۔۔۔ اطاعت اُن کی دیکھو اور غصہ نانی اماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں - بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جسکا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات جا بجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہوکر کلام ہزل سے بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر بایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے ادنی اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور خاص امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں اُن کا کلام موجود ہے - اور اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق اعلی درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کرکے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ لی ہے - اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے
میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا
ہوا کہ اُسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار
ہوں -

جنوں میں کیوں چلا ہوں مڑ کے پیچھے دیکھ کر — حماقت کی نشانی بن گیا نقشِ قدم میرا

شمیمِ زلفِ مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے — تمہارے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دلِ پُرشوق میں معشوق کوٹے پکتا ہوں — کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے اُدھم میرا

ضعیف و ناتواں ہوں مجھکو الفریڈ نہ تاکے — مٹے بھر پیٹ پن کا ذریعہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر ایسے کچا ہی کھا جائیں — شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے دم میرا

یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی سے جو لڑتے ہیں — وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا — مگر کشکولِ سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک نما ہے بلندی میں آبلہ دل کا — جوابِ شیش محل ہے دو منزلا دل کا

ستارے ہیں جو ان کے معاملا دل کا — پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا

علم کسیم ابھی دار وے درد ملجاے — کہیں تو حال ولایت سے کچھ ملا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھکر کمال ان کی نہیں — چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے ہنس ہیں کہ چڑوا اُنکو کہنا چاہیے — پر چھپا تو لغات میں جو اں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے — باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ دہلی انھیں شہرو نہ کیا موقوف ہے — ہر جگہ اہلِ زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقبلوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا — میں اک قرابہ ہوں عرقِ خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ — کھل جاتا حال آپ کی زلفِ دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رضائی — ابرا اگر اُٹھ آتا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت سے اٹھانی تو گراں ہے — ہم سے ترے احساں کا چھپر نہ اُٹھے گا

تا حشر کھٹملے میں تو یہی بند رہے گا — مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اُٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آغا — چرا کھڑا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے
نئی ادا سے نکالی ہے طرز استنجا — کہ خود کھڑا ہے لب بام دھار راہ میں ہے
ترا جواب نہیں دوسرا کی بھٹیاری — کہ دال چولھے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے
ظریف ہے وہ بت شوخ کسقدر آزاد — جو سر گھٹا ہے لئے پشت خارہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا
دولتی ہے سمند ناز کی غیروں کا مرجانا — یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا
رخ روشن کی جھریں حسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا
مری آہوں کی توپ دنکا وہ خالی خولی سر ہونا — وہ آن کا لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا
مذاق چوٹا پن ہے یہ معشوق خیالی کا — کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے — وہ آخر تختۂ مشق اطبا کا بکھر جانا
بھگانا دیکھکر انکو وہ سرپٹ اپنے ناقہ کا — میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا
جو آنا رتجگے میں گل گلے مضمون کے لیکر — ظریف اچھا ہے اور دو شاعری کی طاق جانا
پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ہاں ہونا — اور وہ نالہ و فریاد کا جو ڑواں ہونا
گھر تمہارا ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے — غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا
خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے — شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا
یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں — یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا
امتحان وہ دربار پہ میرا پڑھنا — ان کے چہرے کا وہ غصہ سے گلستاں ہونا
صاف لفظوں میں ہے ملتے ہوئے دانتوں کا تو — دہن یار کا وہ درج در غلطاں ہونا
در و دیوار یہ کیوں کانپ رہے ہیں تھر تھر — کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا
وہ کفن بہر شہیدان وفا دینے لگے — ناپ کر ہر اک کو دو گز کا دوا دینے لگے

مسّو کھلا کر تشنہ کامان محبت کو حضور
شربت دیدار کا پورا اگھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اس بت کے جو کہدار
ہونے والو جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اس سے بڑھکر اور کیا بیتے بہت
ہو گئے گندہ دہن بوسے وفا دینے لگے

پیٹ ضبط آہ سے عشاق کا پھولا جہاں
دھونکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منہ بسورا عاشقوں نے سامنے
وہ کھسیا کر داد کو داد وفا دینے لگے

اُن کے بیماروں کا گھنگرو بولنا جب سن لیا
جلدی جلدی تال سٹر کا لگا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمار غم
ہو کے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر
ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ میں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں
کہ چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

سیہ مستوں کی شادی جنت کیسا توڑی ہے
مبارک حضرت شیطان آباد کرتے ہیں

یہ واٹرلس کوئی بیلی گرام ایس لگایا ہے
کہ ہمکو ہچکیاں آتی ہیں جب جب یاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمہارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر
جو کہتے ہو ظریفا اب ہم تمہیں یاد کرتے ہیں

دلیل کمسنی اس سے بڑھکر اور کیا ہو گی
کہ جوڑا باندھنا نہیں اس شوخ کے بچکانہ آتا ہے

صفت تو دیکھئے ہر چند ہم تو مخنث ہیں
زنانہ یہ پہنکر جامہ مردانہ آتا ہے

پسینہ خال رخ پہ ہے تخیل تیرہ ہم اُن کے
گلاب اتنے میں بھیگا نظر بہدانہ آتا ہے

اذاں دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینکتے ہیں
بتوں کے ہاتھ میں جب سبحہ صد دانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہے
پٹا آتا ہے بانک آتی ہے مجھکو بانہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا بیٹھا ہے بیمار محبت کا
اُسے بیٹھا یا آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

کوئی دل بیتا ہے کوئی ڈانٹے کہ ٹھیرو بھی
ادھالی کے بینگن تھے ادھر بھی آئے ادھر بھی

جہاں لڑنے لگے کوئی تو اقرار سے منڈا
وعدہ ہر دو ہی ہیں اگر کبھی ہو نگر کبھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی

گہہ رخ پہ نقاب اسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیئر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ وہ عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکہ ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف ادبی پر بھی

گو نذرانی وقت پہ ملتی نہیں ہمپر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپنے الٹی رخ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دکان کا ٹٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلائے فراغت کیلئے جب سر کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی ہے نازک نخرے دوست
بالش و بستر سے مجھکو آرہی ہے بوئے دوست

کی جو کریا غیر کی ہیں صاف چار ابروئے دوست
چوندہو بنگلہ چاند بیشک گھٹ گیا ابروئے دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
دو بیسے کے جو رخ ہیں الجھے ہوئے گیسوئے دوست

ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آگئی پر جوڑی سڑک میں سینین گوئے دوست

حسن کے دلکش طویلہ میں ہے بند رخنے دوست
ہر سمند ناز یا اڑیل کوئی ٹٹوئے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تمنے اگر پسوئے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑجاتے ہیں جب وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہ ہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط | یا جفا آتی ہے یا اُن کو وفا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے | تیرے بیمار کے پینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح | حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کر دینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

"یا ایہا القوم ہوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سنو کبھی سنو۔

ما دہل در گردن دختر در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے سلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت ہے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سب سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اٹھے۔ رہوار کبھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منھ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ دَہم۔ دَہم۔ دَہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ کا

مجازی اچھی درڈ ہفتم کا - حال و قال رفارمروں کا - دہوہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم
ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہرج گردد از نماز پنج وقت
ما امید از طاعت و چشم از ثواب افگندہ ایم

از زکوٰۃ و حج صلوٰۃ و صوم فارغ گشتہ ایم
شاہدانہ در قصور افیوں در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر میدہ آباد باشد تا ابد
سایۂ سیمرغ ہست بر خراب افگندہ ایم

در جزیرہ بحر سودا را بماند حب قوم
دل بہ دریائے سپر بوٹی لب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفرین نقص قراں مومناں
بازمی پوشند و بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ
گربہ و غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است
ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

حرف عین

عالی - یعنی نعمت خان عالی شیرازی - ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا - اور نعمت خاں خطاب تھا - مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے بیخبر ہوگئے - ان کے والد کا نام فتح الدین تھا - جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے - میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی - مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے - مروجہ اور ضروری علوم رسمی وہیں حاصل کیئے - شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے - جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرۂ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی - اور سنہ ۱۱۰۲ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا -

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے - اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں ہیں - مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے اُنکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے - عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے - اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے - اسواسطے یہ ہمیشہ در پردہ ہجو کیا کرتے تھے - عالمگیر کچھ ناسمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا - مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا - چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا -

اے عمر صورت و عثمان سیرت — کہ ابو بکر نگہباں تو باد
روز محشر کہ بجود رمانی — پسر بو سفیاں یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ این کہنہ قرم ساق بدانست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بذیلسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امراے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور حلیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی لکھکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ موجیفہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من — در خدمت آزعیاں شدہ جوہر من
گر جیفہ خریدنی است پس کو زر من — ور نیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجوؤں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا
یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور
ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے
شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجوؤں کو متانت کے
لحاظ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت
سے ان پر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا
مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام
نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں
نے ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے
دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے ہجو یہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا
ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں
تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و
بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کدخدا شد خان عالی منزلت — باکمال عز و تمکیں با وقار و زیب و زین
مہرہ در ششدر بیفتد گر گشادی رو دہد — میزند بر تختہ از ترس حریفان کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس — ماند آنہم ہیچیاں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد و دنگر رفتہ جہاز — قد رجع من جانب البلدہ بخفی الحنین
این سند از جبر آورد این سند از اختیار — این سخن ہم در میاں ماند است بین البین

زاں طرف گفتن نہ باشد زیں طرف برخاستن ۔۔۔ شرطہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین

گفت بہر من جہاز آوردہ گاید بکار ۔۔۔ گفت آرے ہم چکش در دہ ام ہم کلبتین

گفت خان البصر مفتاح الفرج را ساکن است ۔۔۔ کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین

گفت نی شد جزم ہم بیشم نیست شد و مد جزر ۔۔۔ در محالات است فتح الیاس احد الراحتین

گفت دخلے میکنم بشنو و قسیم آید حلول ۔۔۔ ہست سریانی و طریانی بنا بر ذہنین

گفت تو شکل عروس ہندسہ گر خواندہ ۔۔۔ ضع عمودا فی المثلث قائما بالنقطتین

گفت من در انتظار ساعتم معذور دار ۔۔۔ شمس طالع زہرہ راجع ماہ باید در بطین

از طبیبے ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت ۔۔۔ از پر و دنبہائے تو پیدا است ضعف کلیتین

ساخت زر عونی ز خولنجان جوز و زنجبیل ۔۔۔ تودری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین

گفت نے اینہا نمی آید بکار از من شنو ۔۔۔ چارہ اش فصد است و جبین کی عدد غنقتین

حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب ۔۔۔ ہم زبانم آمد بدرد از گفتگو ہم لوزتین

دخلہا در موشگافی کار ملا زادہ است ۔۔۔ در تحت اللفظ واعظ گشتہ چون ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را ۔۔۔ رہزن دین و دزد ایماں را

از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت ۔۔۔ آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت

بملامت عتاب پیش گرفت ۔۔۔ بر سرش زد بہ ریش گرفت

کہ چہا میکنی تو اے مردود ۔۔۔ شدہ از درگہ خدا مطرود

ہم دیگر چو شیخ برد بکار ۔۔۔ شد از آں ضرب دست خود بیدار

چوں بترش ز خواب شیر بجست ۔۔۔ دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جن میں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الٰہ است الصدور رحمان خدائے — مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار — ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجل مرد و مرأۃ زن زوج جفت — جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک پادشاہ جند لشکر بود — براں ضحک و خندہ و بر قہ قاہ

چیست عنقا روپیہ کبریت احمر اشرفی — کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بوالحسن
فقر و فاقہ عیلہ و عسرت صبوری انتظار — انچہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطرز لف و نشر — دانہ کاہ دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغائط آبے کہ درین لشکر است — الاجل حکم طبیباں المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش — سہو سیبہ لغو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر گز کس نگفت باشد گفتنی — کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و موتمن
فلفسی آنکس کہ میگوید خلا باشد محال — در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
ما و لا و ان و لن چوں لم حروف نافی اند — میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن با و الی احتی و فی جر میکنند — لیک انوقتے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند — ہمچو تدبیرات و تسخیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے — چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری — کہ معنی ہم ندارد ایں زماں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں — ز شمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے
طبیب از علم طب دریا و میدارد ہمیں معنی — نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے
منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل — ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے
زبس عطار مشتاق است قوت لایموتی را — بچشمش آش و ناں آید چو بنویسند اشنانے
نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را — کہ بر زخم دل خود سر نگوں سازد نمکدانے
چو طفل نے سوار از بہر روزی مید ود کاتب — ز کلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے
محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر — برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے
زحیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب — نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے
دریں لشکر بجانم یار دم با خویش می سنجد — نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے
ز گرُ یالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا — بگفت احوال گر ایں است پیر سالۂ آنے
صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم — چہ شد گفتند دریں خانہ دارد گشتہ مہمانے
زجائے غلغلۂ شادی شنیدم گفت ہمسایہ — کہ شخصے دید شب در واقعہ پیدا آرد انبانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے۔ نعمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن سے ملے
دیدۂ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز - کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر - اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامی تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگادیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلاکر مشاعرہ بھی کرتے تھے - اُن کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے - چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے - اس لیے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے - ایک شعر نمونۂ ظرافت مل سکا -

دل لعل مارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اٹھاکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی - قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد - ظریف - شاعر - ادیب بلکہ مورخ - نظام الدین عبید اللہ نام تھا - عبید زاکانی کے نام مشہور تھے - شاہ ابو اسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی - اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی - ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہدۂ قضا پر مامور ہوئے - چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا - اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فردِ بشر کو آزادی نصیب نہ تھی - اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا - اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی - جو ایک لغت کے طریقہ پر تھی - اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں - چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں "

العالم - بیدولت + الجاہل - دولت یار + الجواد - درویش + المخنس [illegible]
الا مراد - طالب علم + المحتسب - دوزخی + الشاعر - طامع خودپسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے + القلتبان - سسر + البکارت - اسم بامسمیٰ + المجلق - دستگیر مفلساں + المشرف - چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - چوروں کو ڈاکہ مارنے اور دن کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل - حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب - تقریر کرنیوالا گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم - خوشامدی + الطبیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملک الموت - ساقی ریش دار + الہادم اللذات ماہ رمضان + الذو القرنین - دو جوروں کا شوہر + بدبخت - بڈھی عورت کا جوان شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب - ہمسایہ + الریش - غریبوں کی دستاویز + الشیخ - ابلیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل + الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + الیباکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ + الہیچ و پوچ - شریفوں کا وجود + البیمغز - شرفا کے آداب و تہذیب - الغرور و الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا + النوجوان - بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی - صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم - طلاق ثلاثہ + الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدودے چند عاشقوں کی چہیتی + الپاکباز - نسا - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت کے پردہ میں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بدچلنیوں بد قماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملاد و پیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خاں عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا کچی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اس وجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ ائندہ اضافہ کروں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ انکے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرا اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب بہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن — کنگ آور و کنگری کن و کنگرہ زن

شاہ ابو اسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبہ ہو فاست | ترا از چنیں قحبہ ننگ نیست
فراخی و گر را بخواہ | خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی و ہجا گو عبید زاکانی | مقرراست بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستازاوست | ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر اُدھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دو ادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک و احتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سُن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرست | در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش | می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ بھلا اُسنے

یہ شعر کیوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یونہی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بہ عیش خوش شد و من مبتلائے قرض ہر کس بہ عیش شغلے و من در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نہ کند مر عبید را مسکیں چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ۔ اشعار زیادہ تر فحاشات تک پہونچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا شفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے شفقیک چوں تو پرداختہ ایم با اختر خود ترا قریں ساختہ ایم
او گو زہمیزند تو میگوئی شعر او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

[illegible] شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت
[illegible] رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب
پچ[illegible] کی ہوگی گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے
ہیں [illegible] غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے
سا[illegible] عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔
[illegible] اودھ پنچیا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری
بیٹھا محو [illegible] اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک بسکھوڑا پرا ناپختہ ڈھیلالا
قوال [illegible] سنہری سہاگی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستار سے معہ اک بظاہر
مرد طرحدار [illegible] فتنہ زن شکارہ وعیارہ دکھی آدھمکا اک غیرت سی ہوگئی تسبیح شریف
پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے
مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہوگئی اب اس قوال وزن چھبیلے نے
یوں الاپتے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزلیہ

- شرافت تو ہے گو ہے بدکار بیوی — بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
- نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
- کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہردم ہے تیار بیوی
- اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
- نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی
- اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگادے وہیں جوتیاں چار بیوی
- نیا گل کھلا ہے یہ باغِ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
- اگر دیکھے بل ابرو بنرسیاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
- مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنئیے — نہ پابند شوہر ہو زنہار بیوی

کہا ایک شب میاں سے بیگم نے ہنس کر
شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی

یقیں کے ہے لائق فقط اسکی عصمت
گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی

طرفدار غیروں کی تعریف جب ہے
نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی

مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے
جواری جوے میں گئے ہار بیوی

اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو پیدل
تو سو بار تم کو کرے پیار بیوی

کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو
بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی

خجالت کا دریا سوال بیچ میں ہے
ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی

کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر
رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی

نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو
نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی

ادھر تھک کے کاموں کو کیوں رہتے ہیں
ادھر جام پی کر ہے سرشار بیوی

خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز
خبردار بیوی خبردار بیوی

میں عاشق ہوں سو جان سے وقت پیری
ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی

نہ اب دانت کاٹو نہ اب رو بلبس
ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی

تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جوتے
ترے منہ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بندکی ضلع فتحپور میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے۔ جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں۔ تو ان کے والد ترک سکونت کرکے اس قصبہ میں آ رہے۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بندکی میں ہوئی۔ مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو یہ ضلع باندا چلے گئے۔ اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی۔

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مراد آباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجہ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بمقام بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجویہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا ۔۔۔ عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے
دورنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں ۔۔۔ مونچھیں سفید ہوگئیں ~~ سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں ۔۔۔ عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے ۔۔۔ خشک روٹی و بن بگھاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری ۔۔۔ دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو ۔۔۔ چارپائی کا ہے شکستہ حال
شوربا میری تشنہ کامی کا ۔۔۔ پانی پیتے سے گیا ہے تنبی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے ۔۔۔ مار کر اینٹ کرتا ہوں منہ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں ۔۔۔ دونوں تلوؤں کی اڑ گئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو ۔۔۔ بال بھی سر کے ہوگئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر　　مونچھ داڑھی ہے صورتِ امثال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی　　تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دودِ آہِ جگر نکلتا ہے　　دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بندگی میں ہے سکونت کا　　اس کی بگڑی ہوئی ہے صورتِ حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں　　بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دھوپ یاں گو اوس　　ہیں چھتیں گھر کی صورتِ غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں　　اڑ کے چھپر ہو نچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر　　ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسنیٹر سے کچھ صدمہ پہونچا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ وہ ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

وکسنیٹر ہے قوم کا حجام　　نائیوں سے کراتا ہے !!
مارے جوتوں کے ہو گیا گنجا　　جھڑ گئے سر کے موئے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل　　فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آکے بندگی میں بنگیا ہے شریف　　باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو　　اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی　　جیسے عاشق ہوئے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں　　تو بھی چلنے لگا قدم سے گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر　　کرتا ہے اس سے روز و شب یہ کلام

اگر دعویٰ ہے کسی نٹیری کا　　ہمارے آگے آئے ...... کا
پڑے ہیں جوتے سر پہ جھڑ گئے بال .　　یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ وہ کھانے والا ہے روٹی ٹڑی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب ۔ میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیوان پرستی جان من ۔ من اسپ و اشتر نیستم پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز ۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند من باور نمیکردم بحمد اللہ نمردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند دیدی بروبابا ستر دیدی ندیدی

عسس ۔ بدر الدین نام تھا۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اس پر آپ کی ہیئت کذائی اور بھی نزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے۔ بدقسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ نر۔ مادہ۔ استادہ تذکرۂ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے ادب کُتّے چلا تھا کیا یہ جھکڑا تکو　　کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑا تکو

عشاق۔ ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سرسبز خط سے اور ہوا حسن یار کا　　آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا ابھار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان کی جوانی میں　　تو بے سر کی قسم ہوتی ہے کل ہے ٹیس رانوں میں

تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جل بن میں　　موے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

حسین کچھی ہیں کٹے بھی ہیں مگر کچھ جوش کرتے ہیں　　ہوا تنگ عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت۔ تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منھ ہزار کے　　بیٹھے گی کب بھجر تھے یہ وہ ایک یار کے

بی تم تے کیوں کنوارپنے میں چباے پان　　موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے

نرگس کی چھوکری کا دیدہ ہوائی ہے　　کندن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نیتجہ اے بوا اچھا نہیں مردوں کی صحبت کا　　کھلے گا تو جینے بعد گل ابن عیش عشرت کا

بلیتی نام تک ہر گز نگھٹو کا کبھی ماما — مگر کچھ پاس ہے مجھ کو نگوڑے بوڑھونکی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے — میں ڈرتی ہوں ہوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر میں گھر سے دن ڈھلے آتی ہوں ورنہ — کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا ۔ عطاء اللہ نام تھا عطا تخلص تھا ۔ عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے ۔ دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے ۔۔ اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے ۔ اور تمام وضع قطع وہی تھی ۔ ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹکا ہوا ۔ نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں ۔ کرتے کا دامن بہت نیچا اور سپر بیل لگی ہوئی ۔ ڈاڑھی چڑھی ہوا ان موچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال ۔ انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا ۔ میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی ۔ نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے ۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے ۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا ۔

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اس پر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا ۔ بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے ۔ شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی ۔ کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا ۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگذشت من این است ۔ بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا ۔ ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے ۔ میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

اے در بتر حسن تو گشتہ بچار چشم — زیر فتردہ نقطہ جدا آہو بچار چشم
بر فلک شب نمی طپد انجم — دل بستم ز ستم می دھڑکد

دست و پا میزند عدو در رن ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوی خراب بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب

پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں ہے انقلاب اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب

پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

اس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنسکے بولی اے میاں اس بات کا افسوس کیا تم بھی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈائیے داڑھی کی گھاس پھونس کو لوکا لگائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وہسکی اڑائیے القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے

جو بات اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منھ کو موڑیے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب ناتوں جوڑیے ہونٹوں کی پان سے کھائیے دانتوں کو توڑیے

پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجے

نا حق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجیے

جدت کا جس میں دخل نہ ہو چھوڑ دیجیے وہ کام | گھوڑے کے منھ میں بھی ہو دم میں ہے لگام
ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکر سے ہو سلام | اس منھ سے اب بولئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑ دیجیے
عینک سے کام لیجیے آنکھوں کو پھوڑ لیجیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا - منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے - شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے - ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے -

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو | کیا اسیروں کو مار ڈالو گے
ایک رسوا بہت ہے شہرت کو | جمع کر کیا اجاڑ ڈالو گے

علی - قلجماق - اوباش اصفہان کا سر برآوردہ شخص تھا - اسی مذاق کے شعر کہتا تھا - ایک شعر یہ ہے -

تعلیم بچہ پہ دیت گہ ہوس بود | برخیز و سر بپائے علی قلجاق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا - کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں -

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی۔ ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہرحال شعر یہ ہے۔

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تس پہ یہ حال　　　شمع سی ہنستے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین۔ مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رام پور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے۔ مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ ان کا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں۔

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد　　　شبہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد　　　گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد

در سرشتت ہمہ این ہست زہے نیک نہاد

جو مے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے　　　کہا یہ رندوں سے لیجیے سلام شیشہ کا

بندہ کی طلب ہوئے تو سرکار میں آوے　　　خلوت میں بہ حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک - افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا - اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بیز خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی - جو مرزا غالب کی غزل پر کہی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے - مگر ان لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پر رعب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں - اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا دار بند ہو گئی ہوگی اور ع نزاکشیدہ دولت از قلم کشید خدا - والا معاملہ پیش آیا ہوگا - بہرصورت غزل یہ ہے -

شب چراغ عقل تصدیع خم فانوس تھا ۔۔۔ کسوت شمہر کاخ غیرت فانوس تھا
نائر آدر شموس نغز فش ناقوس تھا ۔۔۔ لایح لامع لعوق زاہد پالوس تھا
زندر ودزیغ زیغ آسودہ ناموس تھا ۔۔۔ زورق روا ہلاک تختہ کابوس تھا
منبع لذاغ ایراد خلاغ عنتر لیود ۔۔۔ قسوت قرطاس قسطاس قاموس تھا
قلقل صغرائے ترح کرو بیاں ۔۔۔ محبط مخروط کعب شمسہ قابوس تھا
مزمل نخاس کوس جلد نفاس جوع ۔۔۔ قلع زنگار قسط قصر کیگاوس تھا
شحنہ جوع البقر جیم مغاک قعر صفر ۔۔۔ صفرہ شت نفوس نیر ناؤس تھا
نخلع کلغ خشین نزیل کیف اللبول ۔۔۔ میسر مس ملین قطرب جاسوس تھا
صفرت نقرس قاع خاط ماق لیف خد ۔۔۔ مجلس قطبی فضال نفخ بطلیموس تھا
حرقت محروق قسطار غریق حاوبرد ۔۔۔ شیدان شیخ خل گوزم گنجوس تھا
سویت ناسرت سودت فلسطین مستقیم ۔۔۔ سوسمار سود سنپاب طائر محبوس تھا
سنہ باد توسن سنجاب سنوات رقود ۔۔۔ سم سلجوق حمار قطر جالینوس تھا
لخت لحن نکبا قرمز ہنجار روف ۔۔۔ قصہ خسر تی خمار رغبت طاوس تھا

لف و نشر حریہ شیاد خناس مثیل — نیر شے بازو مکاڑ و جنگ زا ررویں تھا
قاقم ارجاع تھا قطاب نشف انعتاس — طارم فقدان لب چش ضو شمس لوس تھا
طمطراق نسر طائر قد غزن بنت العنب — فیلسوف نسخ شیوع شعشہ معکوس تھا
ضعف شرح طا طمات صغینہ المحذر — حقنا لقن عشق موج حسرتا یوس تھا

غرت غول۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد — وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوش تمکنت اللہ اکبر — کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس تو ہے پی شیریں کی بر میں — نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں مجنوں کی یہ گت ہو گیا — آجکل مجنوں کے چوتڑ پہ لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ گھوٹی ہی پی پھانک کے سوتے ہیں ہم — کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں
کون سی بات پہ لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے — بھائی مجنوں سے تو میں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں مجھ سے بچے پھرتے ہیں ناحق غول — کچھ بھیانک بھی نہیں ہوں کوئی موٹا بھی نہیں

دنیا مرے نظارۂ حسن کی بدلجائے — نیفہ سے اگر اُن کا کمر بند نکل جائے

حرفِ فا

فتحی - نام فتح اللہ تھا - ہرات کے رہنے والے تھے - ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا - ملا شفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی -

اے شفقی یک چوں بتو پرداختہ ایم | با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
دو گوز ہمیزند تو میگوئی شعر | او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا - مولوی عبد الوحید نام ہے - گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے - مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں - نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں - کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آج تک دماغ میں محفوظ ہیں - فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی - سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی نیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا | مقابل بوٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ دوا اچھا نہ دوا اچھا نہ وہ للکارتے کرپان | نرے ٹیڈ پو کو کیا تکرار ایسے ہو نہیں سکتا

فدا - سید محمد علی نام تھا - مگر لوگ ان کو ان کے صرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے - لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے - سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اُسکی تعریف کرتے تھے۔ آخرکار غزل گوئی ترک کرکے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا　　اس کے نزدیک گھانس ہے بھالا

فدائے سخن۔ اودہ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دہڑلے سے　　شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو　　کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے　　کل ملے تھے جو اک بلاّئے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو　　لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بدہیاں پنہائی جائیں　　ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی الجھتی ہیں　　ایک عاشق مزاج جھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ　　آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد۔ تخلص مولوی وحیدالدین خاں نام تھا۔ خدابخش خاں عرف دہ بھنگہ ضلع مظفرپور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہو سکے کبھی　　عمر بھر بندہ تو نامحرم رہا ۔۔۔سا
سطح سینہ پہ ترے اے بت فتنہ گیا　　اُبھرا اُبھرا نظر آتا ہے کچھ اُٹھا اُٹھا سا

وہاں چھاتی ہے گدرائی یہ کیونکر یہاں کھٹکا   درخت بار ور میں بانده مقاہے باغباں کھٹکا

فصاد ۔ نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے ۔ چونکہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی   مے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے کبھی نہ مل سکا۔

فغان ۔ اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے ۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں ۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگر مل دیوان تن کو گھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے ۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں ۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے ۔ کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں ۔ تالیاں ۔ وغیرہ ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی ۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں ۔ انھوں نے ٹال دیا ۔ اور کچھ جواب نہ دیا ۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو بتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہئے انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو　　سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہونچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دیے ٹکسال سے　　اشرفی خانم کھونگی جا کے کندن لال سے

قاآنی - حبیب نام تھا - اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے - نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دورِ آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا - ان کی زبان نہایت صاف تھی - کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے - جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا - اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس مسکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا - قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہا کرتے تھے - سنہ ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں - بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں -

پیرکی لال سرگاہ طفل الکن — می شنیدم کہ بدین نوع ہمی راند سخن

کای ز زلفت صص صبحم شش شام تاریک — وی ز چہرت شش شامم صص صبح روشن

تتتریاکیم از شش شہد لبت — صص صبر و تتتابم رر رفت از تتتن

طفل گفتا مممن را تقلید مکن — گگگم شو ز برم ای کک کمتر از زن

مممی خواہی مشتے بہ بکلت بزنم — کہ بیفتد مممغزت میان دددہنا

پیر گفتا وؤ و اللہ مم معلوم ستا یں ۔۔۔ گگمزا دم من بیچارہ نادر الکن
ووہ ہفتا د دو ہفتا د سلسلہ فتنوں ۔۔۔ گہ گر گنا گ ل ل لاالم بہ خلاق زمن
مم من ام گ گ گنگم مم مثل تات تو ۔۔۔ توتو تو ہم گ گ گنگی مم مثل مم من

قایم ۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہرحال چاندپور مدینہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافتیں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائمؔ کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور اُن کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ”چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنابراں محاورہ او درست گشت“ سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔ اُن کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ اُن کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہلِ نعیم — بیقدر کریں ہمکو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ سیکھے سجدہ — محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں — میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہو
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو — بنٹ ہتبنگ کیا تو نے اے میاں مجھکو
تاہم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی — ابکے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نباہنے اور اسم بامسمی ہونے ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی — جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھا لا یا ہو

کس نگوڑی کلموہی نے بدعادی تھی اُسے — شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اپنا نہ رہا — ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں
بیٹھکر ٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو بُرا — مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم — بیسوں نا خون جلا کر جو کھلائے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور — کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں بوا — اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں — مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو چھڑا دوں کسیطرح — قرق اک ناکی کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

دو روز بھی تو میں نہیں رہتی ہوں چین سے
بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں

بیزار سے مری جو مُنے گھر نہ آئے وہ
طوطے چشم ہیں دوپٹے چھپا کے کیا کروں

ققنس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معدوم الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

ققمل قطلان وقلام قاطر قاد
تققیل قام قلاعد قردم قال قیم

تریم قوع قرام قرعقرم قرنوش
مقعسموقا قریقم قرلیشم قالیم

مقویر قوجہ قندریچ قاقل قیق
قردق قامرق قا قلاں قوغ قمیم

لقوق مقمقہ ماقلاں موق مقاق
مقیر مقاسہ مقمساق ما قلقیم

قمام قنقنہ قندشین قو قل قیز
جقوش قفتہ قلاقوش قعنق جقنیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاتف ۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں نمبر۱ قمر نمبر۲ جان صاحب۔ نمبر۳ ہاتف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا
وہ آج مارتے ہیں تمنا الم کسم

لنڈن سے ہوکے ہند میں جب آنے مانگٹا — ہم جورو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگٹا
ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ — اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگٹا
ہم دیسی حقّہ دیکھ لیا گسہ کر لیا — یوں بول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا
کھانے کا کپڑا ڈالتا نیچے نہیں پسند — کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگٹا
مٹ بولو ایسا باٹ کہ ہم کالا لوگ ہے — صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگٹا
گنگا جلی کھراب ہے جھم جھم پھجول ہے — ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگٹا
ہٹلب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں — ہم گھوڑا گاڑی کرنے فلکٹ جانے مانگٹا
مسٹر فلپ جو آتا تو کھُس ہوتا ہم بہت — جب باپ ملنے آے تو سرمانے مانگٹا
ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں پھجول — صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگٹا
کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں ہم کھراب — جب ڈیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگٹا
جاہل پہننے مانگٹا پاجامہ لوگ کو — ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگٹا
سر پر نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم — ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگٹا
پیتا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوکوف لوگ — ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگٹا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ڈیل ہاٹ صاحب لڑیا کھوب یہ گجل — سب لیڈی لوگ باجے پہ یہ گانے مانگٹا

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوی یت نہانی — کہ غیر از سارہ بانش کس نہ داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں — کسے داند کہ اشتر میچرا ند

کافر ٹکہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹکہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر ہزل کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسنے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں ۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی — زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر — یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافر ک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے ۔

پدرش گر بنانش دست برد — پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ برد زود دستہائے پدر — بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبر آبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے ۔

میں کہا پاس تو آ میرے تو اے ماہ جبیں — تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں — ہنس کے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں
میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور — میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت بولی کوئی شاہد — میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا — چل یار کے گھر کسی بہانے

زنار پہن کے قشقہ کھینچا — لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے

کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے — جو کہئے کسی سے سو وہ جانے

القصہ میں اس گلی میں جا کر — آواز بدل لگا لگانے

پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں — اشلوک کے یاد ہیں فسانے

یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا — یا آپ لگا مجھے بلانے

تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ — سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے

روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا — تم جاؤ اگر اُسے منانے

وہ آئے اگر تمھارے گھر پر — دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے

پر کھا مری بات کو وہ چالاک — معشوق تو ہوتے ہیں سیانے

کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنس کر — بھیجا ہے تجھے آج بے حیا نے

کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ — جی مفت بچا لیا خدا نے

پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل — تو آج لگی تھی جان ٹھکانے

یہ پیچ کی باتیں من سے کالے — کیوں لہر میں آئے ہو دوانے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے تنغض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر۔ عزت محمود۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل نمونۂ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی — ایک کجی سے خبر لے اس دل ناشاد کی

کالی بوتل سے پلادے جلد اک جام شراب ۔۔۔ کیوں خبر لینا بخوبی ہی مجھے حساد کی
گنڈیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا ۔۔۔ پائجامہ کی وضع تمنے نئی ایجاد کی
اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو ۔۔۔ چھوڑ دینا اب روش اس بغض بے بنیاد کی

کٹ کٹار ۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہوسکا ۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا ۔ مدتوں منتظر بھی رکھا ۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تاآنیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی ۔

کشنیز ۔ بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشنیز کے نام موسوم ہیں ۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے ۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا ۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا ۔ بہرحال انتخاب دیوان یہ ہے ۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے ۔۔۔ پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا
ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح ۔۔۔ موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا
توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن ۔۔۔ کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا
بال گرجائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز ۔۔۔ ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا ۔۔۔ یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا
اب خدا جانے دکھل تھے کہ دل کے ٹکڑے ۔۔۔ جو تیوں سے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدۂ وصل کبھی یار کا پورا نہوا	روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ	یار کیا خوش جمال ہے میرا
میں نے بوسہ لیا تو روٹھے کیوں	تم بھی چومو یہ گال ہے میرا
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر	اے میاں اسے یہ مال ہے میرا
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے	اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا
سب خمیری چپاتیاں میری	پر یہ اک شیرمال ہے میرا
دیکھ پر دیں کو وہ یہ کہتے ہیں	منھ کا تھوکا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کا ماجرا	اک رقیب روسیہ نے مجھسے آکر یہ کہا
کون سا میرے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے	وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا
کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدمعاش	کوئی بتلاتا ہے اُلّو کوئی کہتا ہے گدھا
کوئی بتلاتا ہے مسٹنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل	کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا
کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا اُسکے خلاف	کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا
میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر	بات اتنی ہے کہ ہو سو.... کے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب	غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب
یہ حرامزدگی تو اُن کی دیکھئے	خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی	وصل کی رات ہے یا فتح مہمّا کی رات
لیں بلائیں کبھی سر کی تو کبھی قدموں کی	لیلۃ الوصل بنی ردبلیات کی رات

جاکے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ — کہتا تا ہی ہیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی آپنے گھونگھٹ — بھتیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ پٹ
جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق — یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر — کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج — نام معشوق کا رکھا ہے میاں پر جاپٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا — ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی — پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق — کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج — بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دینا ہی جواب انکی وہ دیدہ دہنی کا — کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر — لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چھیڑتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح — بات کرتا ہی کرو دور سے انساں کی طرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھوں — بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر — پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز سے فرماتے ہیں — کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہی دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا — جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں — جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شب وصل وہ شرمیلی ادا سے
لادو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمر بند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پہ گھمنڈ
کشنیز ہمکو اپنی ٹمٹیا پہ ناز ہے
اس شہسوار کو جو ہے رہوار پہ گھمنڈ

پھنسے بے طرح آکے وہ میرے گھر
نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر
کہ چڑھ جائے ہتّے کوئی سیمبر
گئے میر کشنیز جب اُن کے گھر
مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل شب رقیب
بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں
اسی پہ وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی
نہ چور دل کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے
نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا
کہ اک میم کشنیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے کیا خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر
نیا تعلق نیا ہے رشتہ بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب کے دن
مگر کہانتک کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اُسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا
وہ آن مجنوں یہ شان لیلیٰ بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز
بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے
خوب ہیں دہر کے نشیب و فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے   باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً   اُسنے جیب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے   میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی   پھر لیچلا ہے دل اسی پیماں شکن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی   کچھ اس وطن کے پاس ہے کچھ اسکی بہن کے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جا بیلسو   گز بھر کی اک زبان ہے اس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز   دی تھی اسپیچ جو کل پارک میں پینے پر جوشا

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا   تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں   ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیب سمجھتے ہو تم مجھے   آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا الطرہ پٹ   اندھے سے کام ہے انہیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں سا کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں   انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا   کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مروڑے ہاتھ دشمن نے یہانتک   کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ انکو   چرا کر بیچ آئے پاندان تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ
اور میرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پر جم آئے بال
ہو گیا ختم اُن کا حسن و جمال
رکھ کے موٹا سا دوش پر ڈنڈا
میر کشنیز چل دیئے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں
بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں
وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا
شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی ناقدری
جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہے نہ بچہ ہے نہ انڈا ہے
تمھارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

سنا نہ لٹھو کھڑے کرکے گھٹنے مر جاں
کہ اُدھڑی ہوئی سے میانی تمھاری

ذرا میر کشنیز پگڑی سنبھالو
کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں چین سے سونے نہ دیا
جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی
وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے
پیتے پیتے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر
شیخ کی داڑھی اد پچ کر رہ گئی
عشق میں صورت ترے کشنیز کی
گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خونِ عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیر سے ملنے کا نتیجا دیکھا

چھا چاپائی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے نکٹا کر دیا

جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی بجارہ

کمترین۔ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں بے بہا کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص کا نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اُسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں۔

نو خصم گن کر مشکلچین نے کئے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیئے

پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈ و نسیہ را تو نہیں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر برا تو نہیں

دیکھو بکہ ان والی کی مزاخیں — خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے سر لگے دوگے نازک بدن پیارے

گمن۔ ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیوہ میں گھنگ گھوٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کردی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔

ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موئے شمر کو بس کہ پیر ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے - ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا - اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں - اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں - اوائل میں نہایت خوش طبع رنگین مزاج تھے - ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا - اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے - عطاری کی دوکان کرتے تھے - جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا - ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا - بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - اور خود بھی ہوا کا مشاعرے کیا کرتے تھے - اُردو ادب سے خاص دلچسپی تھی - اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا - ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا - مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا - جسنے تمام لذتوں سے محروم کر دیا - کچھ امراض پیدا ہوئے - اُسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا - اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا - کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو - مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں - اور زندگی گزار رہے ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کر کے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲ - ۳۳ سال ہو گی -

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اللہ اللہ ہی   بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ مونچھیں ہیں نہ داڑھی ہے

الٰہی کسطرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت   وہاں نازک غلط ہے اور یہاں کا اونٹ گاڑی ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ ترے قدحے میں زمزم ہے مرے کلہڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی پیر انہیں ملتا وہ کیلا ڈھونڈھتا ہے اب جسے کھیر انہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیر انہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر خدائی فوجداری کرتے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیاں ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوے خانے میں پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا مجھے بس میں دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خدا بندھا اڑتا ہے جب کبوتر یا موز آپ کا
دنیا تمہاری چشمہ فیض کرم میں آہ میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کودن یعنی عبدالعلیم نام تھا ۔ شنہ میں جب راقم الحروف گڈھ مکتیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے ۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا ۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں ۔

جب سے ہوے قلندر اور چاند بھی گھٹا ئی — جس خوبرو نے دیکھا اُسنے چھپت جمائی
یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں بہنیں بہنیں — فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی
کل بزم میں کچھ آئینے کی اسطرح رکھائی — جب ہمکو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

اچھا ج مانگے ہے مصور بھنسیں ابھی بھائی نہیں — اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے — بلی کی میاؤں میاؤں کتوں کی تاؤں تاؤں
گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں — اے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا ۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں ۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے ۔ یا ہیں ۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے ۔ مگر ناکام رہا ۔ بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے ۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے ۔

ہائے بچھڑن چارپائی بھی ہے چپ — آج وہ آواز چرخ چوں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان رقیبوں سے نہ مل — لے کمانے کھانے کا بھی ٹھیکرا جاتا رہا
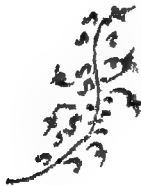
حرف گاف فارسی

گرم - مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے - ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہے ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو -

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم سے آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام - شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شوقیہ مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا - اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا - مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - شیخ صاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا - شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے - کیا آپ نے

بھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اس وجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔ سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہو گئے پھر کیا تھا دوپہر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آ رہی ہے اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب وغریب شاعر کے لئے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں اور مسترد ہوتے رہے۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس پیر کہن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا اور ہر نگینے ہی ہر دو دیگرے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آ گئی۔ احباب کے مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز بہروں کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید داڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
اینتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہوگئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کا سنگار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دورویہ سلام لیتے ہوئے
چلے جارہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہوگئے
آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھایئے اور بہار بے پروائی الابل کیف خلقت پڑھتے جایئے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو باپوڑ کے سنہ ۱۹۱۵ء کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سریر عرش مکلل ہوگیا
اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہوگیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہوگیا
اس مضغۂ گوشت کو کواکب پر رتبۂ فوق الفوق حاصل ہوگیا
صفحۂ مردمک چشم مضمون رخسار کی منزل ہوگیا
داغ جبیں سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہوگیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کردیا اخلاص کامل ہوگیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہوگیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو نسخہ مکمل ہوگیا
رخ پرنور کی ملاحت و جبیں کا تل دانہ سپند ہوگیا
تنگدستی سے ہمارا حال بنظر خلقت مستبدل ہوگیا
اے رحمت عالم اتو مکافات رشتی عمل ہوگیا
حاصل ہو لیاقت نعت کی دبیر چرخ کو غیر ممکن ہے
یہ فخر ازل سے گمنام نازک خیال کو حاصل ہوگیا

حرف لام

لا اعلم ۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک واکھوسٹ (واسوخت) سنئیے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں ۔

کا کہی کہو الا کے کا رکمت چیت رہے
گاؤں ماں جاء کے کنکوت کھیتا رہے

آپ پیٹھ ہم اسا ہن کا سدا دیت رہے
اپنے مہتوں سے بخر بھیٹ بھی لے لیت رہے

کا ہے جر جائے کریج ایہ نہ تما کو ہوئے کے
یہہ کی جھو نجھ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کہی تم تے وہی ست گجو دھر جائیو
ہمکا مسنی نہ کھیو منی کا ما نجھ سر جائیو

تمکا نا ئب کیا آپن تم اپن گھر جائیو
اس کہیو کام نہ اب آپ کا لذکر جائیو

کھر پچ کی اور سے تنگی نہ دیہو تم اکا
تمکا سونپت ہے رکھیو چین سے ٹھکرائن کا

جیو تو بیا کل ہے بہت کا کہی اب اپنی کتھا
پیت تو ہوت مہا روگ ہے بس نہی کا

کھیمہ چرپر وا ماں جہو دن تے سنا صاحب کا
کھوب بالن ماں ملا تیل کا جلیچھن

اینچا

دھر کے موڑے پہ چمکدار پٹریا نکسن
جیسے تنجات ہے پھن کاڑھ کے کریا نکسن

کالھ دوئی کوس پہ ان کا جو سنا سب مکام — جیو ہاں آ کے کرن جائے صاحب کا سلام
چڑھ کے گھوڑے پہ ترنت ٹھاڑھ سے تھامن جو لگام — گھوڑ کس ہینگ بھرس کا کہی تم تے کا نام

پاؤں دھر دین رکابنا میں جو ٹھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں ٹہری پال رہی کس بورت — بیٹھی اوہاں رہی اک کامنی سندر مورت
ناتب اب کا کہی بس رام دیہے اس بھل صورت — ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہم کا گھورت

دھر کے کس مینچ دہس ہم اکر بجن جیسے
میکوا کا ہے یہی ہے نا کہت ہن جیسے

پھر کہاں تاب ہی گھوڑے کو دن جھم سے — من ماں یہ سوچ کہوا کیسے ملن جا جم سے
ہائے دیدی کہا اور بھوئیں ماں گرن لپٹ ہم سے — ہوئے گئیں گست عجب بورگوا جیوگم سے

میکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبرا وا
بولا دوٹیے کوئی ٹھا کر کو ہے مرچھا آوا

ہمری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھرگھر — دوٹیے گجراج مہا پالی بھولن بلبھدر
گور پنچس کو تو اور کو تو سنگھاوا انتر — اور کو تو یہ کہس چیت ماں آو ٹھا کر

ہم مدا کو تو جتن سے نہ جگائے جاگن
گر پڑا وا جو بہت پیٹ تلائے لاگن

ہم تلائے جو گئن جب تو وہ چنچل بد کھاؤ — میکوا تے یہ کہس کاہے رے باری ات آؤ
پال تے کھینچ کے پلنگا تنی باہر تو بچھاؤ — تو ہرے ٹھا کر کا تو ہم بوجھ گئن سب پہناؤ

یہی پلنگا پہ جب اپہیں تو بٹھائے پا اُنکا

اُن کے بچپن کا مجا کھوب چکھئے با اُن کا

ہم تلاسے سے پھرن باگ ماں پلکا پاوا — تب تو دیہی چھپلیا چھپلی کا ٹنک ملواوا
پاس بیٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا — تم تو تکیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہا اُنسے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو
میکو اکا ہے کہن ہنسکے و لگی نہ کرو

و دس تو بیت گوا ہکا ہوئین باتن باد — جب گئے سورج اسکھے اور تنک آئی رات
ہم کہا اُن سے کہ ہم تو ہن اب گھر کا جات — بولی رہ چلنے کی کچھ ہوت نہیں ہے ملیکات

اس نہ تم نہکی نہک کو ڈ کا جیو جار کے جاؤ
ہمی سکے اب کا کریبے جاتا ہو تو مار کے جاؤ

اُن کی آنکھن سے لگے آنس بہے جب بھر بھر — پھر تو نکتا ہے نہ بھتا جیو کا مسو سا دہر دہر
ہم کہا رو دَنہ جیو اپنا رہت ہے پھر پھر — ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ کہے نکست بھر بھر

ہو سکت اب تو ہے اہتے سے جاؤ کیسے
ہن گہے تم سے بھلا گوڑ اٹھاؤ ب کیسے

پھر تو بس ریجھ گئین بیٹھ ماں رکا مارن — اُٹھ کے پلکا سی گئیں پال ماں دنیا بارن
ہاتک کے ہے سے انگو چھے کا پچھونا جھارن — اور اسو تن کی مہاگا ہ الیسے ہم پڑ ڈارن

ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا دیکھیو
کھرچ آپن نہ کبھو ساتھ ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج ہمیاں کا ہے کا آوا کرہیو — اور پھر روج نہ تم آئے کے تکا وا کرہیو
ہم تو جانت ہیں کبھو منھ نہ دکھاوا کرہیو — بیٹھو بس تم بھی بکہ اس مچاوا کرہیو

میکو اپیڑ تلے جائے کے چوکا دیدے
دیدی کھٹیا تر سے حیرا ہیا تو اوہ کا دیدے

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند — بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی بھنسار ہولی کی جو کھیا ہمرے شن پائن — بلوا بھیج کے تو آ کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی خاطر سے دست ہمرا ایک پٹکے لیگئے بھیتر — بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن
گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آو — دساوری پان بھی منگوائے کے بھوجی سے لگوائن
کچوری پوری - ربڑی مال پوہٹا اور برفی تکونے — وہ بھوجی لوک ناتھن سے دہیں جکوا سے منگوائن
گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر — بڑکیا اور بیسٹر یا گھر میں اپنے خوب پکوائن
غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھی ہمری — ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن
بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گاؤں ہاری بلوائن — ہماری قرب ماں بیٹھلائے کے گانا خوب سنوائن
عبیر اور بکا سب کھلا رہا بھر بھر کے تھریا میں — ملن بھی ہمکے گلوا ماں اور اپنو خوب بلوائن
منگا لس دارو مہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل — بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلھڑ ڈیڑھ پلوائن

دہیت تیرے عشق کے آزار کی ایسی تیسی — کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی
جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی — ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی
گھورنے کے لیے اچھے ہیں کھانے کو علیل — یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی
سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے ایجانی — تم بغل میں رہو تو زردار کی ایسی تیسی
بات کرتے ہی وہ چندیا پہ چپت دیتا ہے — ایسے معشوق بداطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی — اٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مردہ نہ بستر پر
لاغر ہوں میں اتنا کہ نکل جاے جو چیونٹی — اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار کبھی میرا

. . . .

جب میں کہتا ہوں کہ گیوی کس ڈیر
ہنس کے فرماتا ہے یو می ٹیک ہیر

غریبوں پہ مت ظلم کر اے ڈیر
میں قربان جاؤں اگر کم ہیر

بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں
پاپ و نیم میں بیٹھے پیوت ہیں غنچا (ذلو شی)

خسن کے سبب بند طاؤسی شد (ولوسی)
کر ااشن میں بہوت ہیں پانی کے ریلا (کیچڑ)

رسوئی میں پکتا ہیں کھانے لذیذ (وانگر ڈیر)
بکری کے تلیا مچھر بن کے شرمیا

لان کے ذرا سجنت حال ان کو دیکھو
خسر فوت شد اور خسر یا بقا یا

لاابالی مرزا لاابالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۴ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی تو آپ نے ایک ترا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا الٰہی ابر سے کیونکر پھسل پڑا
کیوں ابر بھی نہ اسکی بڑا پر پھسل پڑا
بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا
اس شوخ ستمبر کا جو جوہر پھسل پڑا
سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سرک پہ دیکھئے تو گدھا ہے کہیں پھنسا
چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا
گھوڑے کا دم ہے ناک میں تانگہ نہیں پڑا
ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی رہا
چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گر چھپکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی
بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی
ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی
چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی
لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سب سن سنا کے کیچ میں مرغا تڑپ رہا
ٹڈی زمیں پہ آ رہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لٹ پٹا گئی پڑا اڑنگے ہا | چلائی چیل پانی میں کو اڑنگے ہا

چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آرہا | صاحب بھی آتے جاتے ہیں کہ ٹپ ٹپ آرہا

الجھا جولاہا پان میں وہ جھپٹ آرہا | کوئی تو چت گرا کوئی کروٹ سے آرہا

بابو کہیں ڈھلاک پڑا ماسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں | پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں

سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں | سالے سلج کی گتھو سی گئی لات لات میں

دولہا دولھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آرہی | بھانڈوں کی جو منڈلی بھی باتیں بنانے آرہی

یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آرہی | کسبی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آرہی

باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش میں دور شراب تھا | ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا

بدمستوں میں جو جوش شوق شباب تھا | پامال تھی سیاہ خیال حجاب تھا

اپنے گرا جو غیر وہ مجھ پر پھسل پڑا

پہلے تو پی کے ساقی پری زن نے تان لی | بہکا کا جو ادبدا کے تو برہمن نے ٹانگ لی

کیا رند میگسار کی جوان نے تان لی | پھر ہوش اور حواس کی ان بن نے ٹانگ لی

کل شیخ میکدے میں آکر پھسل پڑا

شب برات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے ۔

کیا شب برات جہاں پر کیسا ہجوم ہے | چل پھر کیسی دنیا کی کیسی دھوم ہے

حلوا پراٹھا پکا ہوا بالعموم ہے | جاری ہر اک سمت انوکھے رسوم ہے

اس کھیل میں پڑے ہیں اطفال ہر گھڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج پھندر بنے ہوئے — کرتب عجب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے

نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھ کر سناتی باد ہوائی ہے یہ بڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے چھیڑ دست شرارت کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے

پایا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر بڑی بڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب کہاں مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا

گر گیا لندن کو تو وہ معدن تہذیب ہے — سمجھو لیں آج شرق میں دین کا کوکب گیا

جا لگا ہے جذبے کو مرکب ہیں ہزاروں لیک حج — الحاد کا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا

ساغر ہے نقد کوثر لیڈیاں ہیں اقد حور — کھل گئی جنت کی کھڑکی اب کہ گر لب گیا

ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوٹ سے دین سحری و شب گیا

کیک کا ٹکڑا کوئی اترا اگر ہے پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں اعلیٰ گیا اعذب گیا

گوشت پیلوں سے لفافہ ستر پوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا

آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوشی آمد خوب شد — گر تعصب چل دیا اولیٰ گیا انسب گیا

بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی سبیل — یہ بھی اچھا جوش ہے گو جوش مذہب گیا

گرچہ ہاتھوں میں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض و واجب گیا

داڑھیاں منڈی ہیں تو اس میں بھی ہے اک فائدہ — شاہدوں کے قلب سے اندیشۂ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کڈھب ڈھیلوں کا ڈھب اچھا ہوا اٹھ ہی گیا

اب کہئے تو کیا نہیں ہے یا سی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان نہیں صاحب
حجام ہوں میراد مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں ہیں جب اکثر سید
مسٹر نہ بنے گا اُن سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں سے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور ناک بھی ہے
رشیا پہ منہ آنے میں اسکے کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منہ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
نمرود کے پشہ کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منہ پہ جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافقرہ - اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھرتے
بال صیاد کٹ گئے دھڑ سے
ساتھ چھیڑے تار و پود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما پر سے
وہ خفا ہیں تو کیوں مناویں ہم
میری جوتی سے جوتی اُنکے گھر سے
بلبلیں باغ میں سیاہ کب اٹھیں
میرے نالوں کے دلنشیں سُر سے
مرگیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پرسے

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا　　میخانہ میں ماتم ہے ماہِ رمضاں آیا

مجرد - محمد پناہ نام تھا - دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے - اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا - اور اس پر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا - خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو -

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پٹا　　اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے - ایک دیوان چھپوایا ہے - جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے - اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا نہ ہو - مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے - ان کے دیوان کو اُن اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے - محسن اور عشقا دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے -

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا — راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا

ہے یاد بندی کو بھی وہ لٹکا پھر بگاڑ کا بھڑوا بھڑکا بھٹکا — نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ دنگی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پہ وبال گھر کا — کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر بخار اپنا

ہے سانس کا ہیکہ سوت ہے وہ ہماری ہر طرح موت ہے وہ — نہیں ہوئی ہوتی فوت ہے وہ بگاڑا دشمن نے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر شہر عدم آباد کا — حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس دل ناشاد کا

کسبی کے گھر سے لگا کر بیٹھتے ہو پان تم — واہ کیا کہنا ہے مرزا آپکی اس یاد کا

ننند کی چال تو نہ چلکر آ گئی میں چال میں — تھا سبب بیگم لوایہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار نعمت ہوا — گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے جو تڑ اٹھل چلیے — خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جوے کی لت بھی لگا دی مُے نواب کو دی — زندہ در گور ہو باجی موا دشمن انکا

پچھلے ساون میں تو تکتے سوت کے گھر میں دولھا — دیکھئے اب کے کہاں ہوتا ہوا ساون انکا

دولھا بھائی پہ سوتی ہو گئی ہو عاشق — گوندھتی ہار ہیں کیوں نام ہے مالن انکا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا — کیسا ننگا ہے نگوڑا باپ چندہ بھان کا

ہو گئے ڈھول خالی شیخ جی تم — خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھروندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے — مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب — لگا رہا ہوا کھٹکا موی سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو کپڑا کیسا — چھوڑو دیگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منہ نوج ہوا ایسا کسی بندی کو نصیب — داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے — دولھا بھائی سے بھلا مجھ لے ہوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو بجا ہے باجی — اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سرزمیں پہ جاتے ہیں آسماں نصیب — گوئیاں رہی ایک سا ہی یہاں اور نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں سکے گھر — ہو جیسی لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب
خام ہے یہ اُدھیڑ بن گیاں — چھوٹتی ہے میاں سے کبھی کب
آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی — رہتی گو ہر کو ہے بیگار بہت سے
لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ — کہا باجی نے دتا موئے دور ہٹ سے
انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا — اسپر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج
در بدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد — یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد
سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں — ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سرخ
جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں — خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد
کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی — میری چڑ ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ
ایک دو تین اوئی بوا حد ہے — کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ
اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا — قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پر
یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر — بھلکی والی یہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر
رونڈی کپڑے کو بھی اب بیگم بوا احتیاج ہے — آ گئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھ کر
کرے گا خاک موا بیوی خادما کا لحاظ — نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو انّا کا لحاظ
رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ — دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ
مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر — یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع
ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا — ہیں مصاحب اُن کے کٹنے مٹنے لگے مردار حیف
ہے رنگیلی ترا بوڑھا میاں اللہ کی عطا — پپلے منھ کا خمیدہ موا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا جا کے رنڈیوں کو بلا دگے یوں شرارتیں تک — کباب کھا کھا کے سوچتے تم کرو گے ہمکو کباب کب تک
اجی وہ بالا نہ لاؤگے تم یہ ٹالا کب تک بتاؤگے تم — کبھی تو کمرے پہ آؤگے تم کروگے ہمکو کباب کب تک

موا فتنے میں سا یہ بیخبر ہے ہیں پاؤں پٹی پہ نیچے سر ہے ۔ نہ روٹی کپڑا نہ گھر ہے نہ در ہے پھر نخرے دھرا ہے کب تک
پھر میرے سلونے وہی چھل بل کی بات ہے ۔ رہ تو سہی لگاؤں تیرے بانکپن ہی آگ
ہوئی بیخود شرابی یاد آیا ۔ اری لینا بوا گو ہر چلا دل
نہ چھوٹ بولیں گے چار میں سا ہم ہیں فیوذن کیا ہزار میں ہم ۔ ہیں بر قلیلے ستارے میں ہم ہیں آندھی پانی رباب میں ہم
چپیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں ۔ آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں
بوا مغلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا ۔ موئی بیگم کو تو چانڈو بھی پلا لیتے ہیں
رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوں چھیڑ کر ۔ دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں
ساون میں سا سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق ۔ پہونچاؤں میں تو ہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دن کو ٹرایا ہوا مجھسے ہارا رات کو ۔ ڈھونڈھتا پھرتا تھا مجھکو کا سہارا رات کو
بھیجا سالن گھی کا بگھار چوری چوری اٹھیں ۔ دیکھو بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو
چھوڑ کر زلف دوتا رخ پر بوا میں سو گئی ۔ وہ بجایا ہی کئے اپنا دوتارا رات کو
رکھا جب مرزا نے ساغر کو ہر پیچ ہا تھو پر ۔ پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگوا کے آمیں نہ ۔ دیکھو تو گالوں کو بوا منگوا کے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ ۔ گوئیاں ملانا ہجر زدوں کا ثواب ہے
دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا ۔ مجھکو تو سوئی نگوڑی نہیں چھو آتی ہے
تربت پہ آکے بھڑ سے نے ماری ایک لات ۔ سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے
میرے ہی سامنے موئی کسبی سے دل لگی ۔ بس بس نکل چکے مرے ارماں جا ہے
مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے ۔ بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے　　وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے

نہ مارو شیخ کو سب بے موت باجی　　نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے

نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی بیبے　　بڑا نواب کا سالا بنا ہے

ننگی نگوڑی باتیں کبھی اور سب کے سامنے　　کچھ تو حجاب پیارے میاں تم رمیاں رہے

ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے　　لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے

بدا رودیں مجھے جب بیچلے وہ　　بری ہوتی نگوڑی مامتا ہے

بناتا ہے موا دل سے یکے باتیں　　بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر۔ عبد اللہ خاں نام۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے۔ میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔

کہیں سا تم چوچلے میں بھید کچھ اُنسے نہ کہدینا　　مزی اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ گل باغ مراد مادۂ تاریخ پیدائش ہے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈہائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک

حاصل کی۔ سنہ ۱۸۹۶ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا   کیا زمینداروں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے   لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلاہونکے لیے اسکیم گاندھی چل گئی   لیڈروں سرکار میں بیٹھے بھلے چل گئی

امن ہی رخصت اگر قانون شکنی کو ہیں   اینٹ سے اینٹیں بجیں غائب جو چھپنی ہو ہیں

آپکے دل میں اگر وقعت ہے میری راے کی   سیکھیے سوراج کے خاطر حفاظت گاے کی

کہتا ہی جبکی نہ ہو یہ بجز وہ مہاج ہے   ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہوگئے تھے موتی لال   ق   اک محب خاص کو میں نے جو پایا دردمند

میں نے انسے کہدیا یہ سچ سب یکتا ہے   خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل   کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب   آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوے ہند یہ گاندھی   سوراج کے لینے پہ کمر آپنے باندھی

ہوے کے شجر جڑ سے اکھڑ کر گرے لاکھوں   جب سال گذشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید اُن کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا   بڑی حیرت ہے ہمکو اُن کے ڈر کا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی غازان اسلامی یہ گنگڑوں کیں   بتاؤ ہند بھر شدھی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گرجا کی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں   ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال ہیں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول   ہے پولس پر کام سب تو ضبط چوکیدار پر

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائےؔ صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظرِ ثانی فرماتے رہے اور ۲۶ء میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبرؔ مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اکبرؔ کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتادِ طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محبؔ صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تاحدِ مقدور شوخی وغیرہ کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبرؔ نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرینِ صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہوگی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریاآباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق ہمسے ہوائی جہاز کا ۔۔۔ بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر ۔۔۔ رہبرِ شوق ہے اب عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی ۔۔۔ اے محبؔ تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

ان سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہم پر کھلا ۔۔۔ کشورِ الفت میں ٹیلی فون کا دفتر کھلا

شوہرِ مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال ۔۔۔ ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی لیپ کا
کوئی نٹ کہتا ہے ان کو کوئی بندر اے محبؔ ۔۔۔ شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا — کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا
نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا — خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا
شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر — کوئی شائق نہیں گلزار نستعلیق و ریحاں کا
مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے — خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا
کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی — منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہوگیا
پارکوں میں گھوم لو کھالو ڈبل روٹی محب — آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا
چلو جلسوں میں موٹر پر اڑاؤ چندے دیے جاؤ — بغیر اس کے محب پبلک میں ٹھہرا نہیں سکتا
پسی جاتی ہے اب اولاد آدم غم کی چکی میں — بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا
نوٹ سے بڑھکر نہیں ہے دولت کوئی اس عہد میں — مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہوگیا
گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے — کہ اب ہم سے وفاداری کا گٹھڑ اٹھ نہیں سکتا
زباں کا اب تو دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی — نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبت لبسرائی کو — طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا
وہ طمانچہ پڑا گرانی کا — دل غریبوں کا تلملا اٹھا
بل کیا پیش کمپنی نے جب — اے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا — چرخ پر اُڑ کے پہونچتا ہے غبارا اُن کا
تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا — میرے آگے نہ کرو ذکر خدارا اُن کا
طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی — ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں — کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا　　ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اوور کوٹ کا زمانہ ہے　　نام صاحب نہ لو رزائی کا
ڈاٹتی ہیں حسین لیڈی پمپ　　کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ　　بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں　　ڈھونڈھے سے کوئی دیاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں　　کیوں نہ ہو ہمکو شوق جیسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہو　　یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اوور سے ہوا شوق　　اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہوگا
کر دیا بدحواس چند دن نے　　دہیان کسکو ہے وان اور ٹن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا　　چھم سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا　　سر پہ خب سجے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ　　اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
پے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث　　ایک تختے پہ یہ لکھ دیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے کئے عیش اڑائی ہے گپ　　آج ہو آپکو ترقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح　　بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو داری کی ہے — بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح
چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر — ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کی طرح

یار من مشفق من نہیں القاب پسند — ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری — خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز — چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف — اس کے آگے پُران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بن جاؤ — زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب — بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک — یہ نزلہ مبارک یہ پیچش مبارک
ہوا خلط شیخ و برہمن میں باہم — یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں سچ ایسے ہیں ویسے ہیں — کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیج میں روتے ہیں — جز اک اللہ قومی درد والفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑیں بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے — کہ وہ ہیں ونٹ کمسرٹ کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

..ھا سے مرگئے ہیں نئی روشنی پہ ہم — ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے — گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آئے مسوں کی تھپیٹ میں — دولت وہی جو مے بنے اور جائے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک
جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے
ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے
تو اچھن آگئی ڈولی میں دن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ
بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب
ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس
مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی
کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہے زمانہ میں محب وہی طرح
چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول
یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

آگیا قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے
اور ہوتے ہیں تو لدا اب سخنور سیکڑوں

مدار کار جہاں اب سکنڈ پہ ہے
گیا وہ وقت گھڑی اور پل سے کام نہیں

وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں
پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو چسکا پڑا ہے فوجداری کا
مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا ان لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا
جنھیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلی سینری دیکھو
نہ جاؤ بھولکر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق
گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو
مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے
بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلی عزیز
عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک بلڈاگ ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں
کہ سوڈا اور لمنڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پئے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے
نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

ٹر مکے خیرات سے ہے قوم کی خدمیں تو آپ
بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہی

مال آغاؤں کے وعدے پر خوشی سے لیجئے
جب تقاضا ہو تو کہہ دیجئے کہ نالش کیجئے

تعلیم مغربی سے بھی پھوے سپھلے نہ ہم
بوئے گئے جو بیج وہ قسمت سے سڑ گئے

کھاتے نہیں پڑ نگ کسی کے دباؤ سے
مجبور، شیخ ہو گئے دم کے لگاؤ سے

گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد
اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اصناف کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیتا پور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصًا نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت

رنگینی - بیان میں آمد - بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی - تقشف - پھیکا پن - بیمزگی - بہرصورت باسط نے اپنے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے - ذلک فضل اللہ الخ - آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں - مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں - ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے - ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں - شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں - آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵ - ۳۶ سال کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

حضرت دل جو کسی کے حوالے ہوتے – جتنے گورے ہیں مقرر مرے سالے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سے سیکڑوں کو مار آتا ہے – نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا آڑ کر لے پری پر اپنے عاشق سے – تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خفا ہے اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے – اگر ٹکر بندہ درگاہ بھی شہتیر ہو جاتا

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا – لئے سر پہ پھر اگر یہ دعا سچا چارپائی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے – سمجھا دلدار ہم کو چڑیا کا کھیل

کیا فرق ہے بتادوں ماسٹر میں مولوی میں – وہ شاخ ہیں قلم کی یہ ہیں پرانے

جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے – پکڑ کر کھینچ ہی لونگا قلٹن سے

کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر غیب جمال – کا نیا مرگئی نانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں – تم تنبولی اسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا

بہ تنگ آمدم چوں شب ہجر اے دل – طپاں سوے او چوں چھپر پا

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے ۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنی میر انیس کے چچا تھے ۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے ۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے ۔

اے دوا دیکھو اب ہوگا بڑا شر پیدا
مردوں کو ترس رنڈیو پہ کیوں نہیں آتا

لونا خن نے کیا اور نیا گھر پیدا
میں مرگئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام تھا جونپور کے رہنے والے ہیں پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں ۔ مگر اب عرصہ سے شاید اس رنگ کو ترک کردیا ۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں ۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے ۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے ۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں ۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منور [illegible] بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ بعد چند سے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر یعنی

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے گئے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربارداری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

[illegible] کے ہوئے یوں زخم بدن پر پیدا
رات کو جیسے [illegible] سے جس طرح ہوں اختر پیدا

نیش [illegible] ان کا ہے کرتے ہیں مزے [illegible]
خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں بندہ پیدا

شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا
بیضہ [illegible] زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا

جھومنے لگتا ہے ہر شیخ و برہمن سنکر
تان [illegible] سارنگی سے ہوتی ہیں جو ہر سو پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر
ہمیشہ ناقۂ لیلے سوار رہتا ہے

چلے ہیں وہ سوئے گنگا بہار کے دن تھے
اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے

شب وصال وہ ضد کرکے ہم سے کہا [illegible]
یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے

ہمارا بوٹا بہت ہی شکستہ خاطر ہے
گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں چمگادڑوں کی فاحشہ ہیں
انھیں کے واسطے یار و خراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے معاصر تھے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اسے مزمل نازکی کا گھونٹا کیا — شوخ بولا چل ہٹ چل لگے سے چل

مست — سرمست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملاحظہ درج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹٹ پونجیوں میں — خانہ جنگی نہیں رہتی ہے سدا اسکے ساتھ

مسٹر — سید ضیا علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ تحفہ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پر فن میں تھا — غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جیلخانے جاؤنگا — جب سنا میں نے کہ وہ بت خانۂ دشمن میں تھا

آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا — رولی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا

سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں — ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا

کھا گئے یہ کہہ کے وہ دیگ وہ پوری بیگ کی — وہ متنجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا

ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر — ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا

کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی — گرنہ تھا چوکھٹ نہ تھا پردم نہ تھا یا لانغ تھا

گارڈ صاحب نے بریک میں رکھ کے چلتا کردیا — یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹ میں تو مجنوں نے کہا
مجھکو دھوکا ہوگیا لیلی نہ تھی محمل نہ تھا

باپ ماں نے پاؤں میں شادی کی بیڑی ڈالدی
ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا

ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں
نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا

داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے
گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے بیاہ کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہے کمر پر سہرا
ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا

بحر بہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے
کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا

کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے
پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا

عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے
بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا

کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر
رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کردیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلّی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیّہ اور ضروری کی تکمیل۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ روبہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے اِدھر اُدھر چلدیئے۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں اگرچہ چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہوگیا۔ انہی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکّہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پران کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ شہرہ ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہانتک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نچاہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعری تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی اُن کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہدپن فواحش۔ رذالت کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیمان شکوہ کو وقت ہو قت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت آبی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیز تھی جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کیا غریب ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا — سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کر دی۔ جس پر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہے تو چالیس ہی کے لائق　　تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں ملتے　　ہم بھی تھے کبھی دو نہیں پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر　　ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف ہاروت میں انگلی　　کی رشک نے جا دیدہ ماروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جن پر سید انشا کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع ملگیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ　　تھی اسکی دہری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشاء نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از گر ۔ رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تا بہ تہیں انگلی

پھر کیا تھا ۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لمڈ ورا اتنا کھچا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لیئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے ۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری ۔ لئے برنج اے مصحفی رح اپنی پشاور گئی
کیوں نہ دل نظار گی کا جاے لوٹ ۔ لکھنؤ میں حسن کی بندہی ہی لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھکر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منھ میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار دیہاں قرمزی دو شالا ۔ لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا
کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے ۔ کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا
دریاے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں ۔ لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

[illegible] ۔ ناچی ہے تری عالم لاہوت میں انگلی
[illegible] ۔ حایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پہ میں گیا سوانگ بنا کے تو کہا ۔ چل بے چل دور ہو کیا لیکے فقیر آیا
سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا ۔ نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا
چھینے عاشق نہ کیوں اسکے مولے ۔ کہ چشم شوخ اُسکی ہے ممولا
جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد ۔ قفس میں از پے بلبل ہنڈولا

انشا کی مسخرہ زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا رکو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت
وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے

میں گو نہ سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو
گر بول اٹھے ادہی کی جوں چوں مرے آگے

قدرت ہے خدا کی کہ بنے آج وہ شاعر
طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے

موسیٰ کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی
گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جاوے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے گزشتہ نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پا کر سنہ ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنو وفات پائی۔

م۔ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوے تو آپ کے عجیب وغریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ
پوچھ لینا اب کے جو آسے نکر زلزلہ

اے ستمگر تو دکھادے انکو چنگر زلزلہ
جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہی کیونکر زلزلہ

اے عجب جاپان روس و مصر لندن چھوڑکر
ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہی اکثر زلزلہ

آمد آمد پھر کسی پر کالۂ آفت کی ہے
پھر جہاں میں آنے والا ہی مقرر زلزلہ

ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہی یہی
دو قدم رہتا ہے پیچھے آپ سے ہٹکر زلزلہ

اے بت کافر تری چالوں سے اکثر ہند میں
آتا جاتا ہی برابر زلزلہ پر زلزلہ

مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہوگئے
اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چپکے چپکے آ سکے پیچھے ہاے بھولا شام کا | صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ
ہاں یہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں | آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ
کعبۂ دل ڈھہ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے | اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپ کر زلزلہ
پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زا رفتار کا | فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑھ کر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی. کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے سنہ ۱۲۴۲ھ میں دنیاے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجاے۔ اور اس صنعت خاص کو نباہتک

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کردی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا اسو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے یہ بھی ضروری سمجھا کہ تبسیج زمرد کے اشعار بھی نقل کئے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور اُن کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کیسے تھا سبزہ رنگ اکدم بھر سے اپنے جینے کا — نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہی قاتل مرا — نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا — ابروے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزاری ہوا — خلط صفرایاں تلک بڑھا کہ زنگاری ہوا

حرف سبزاب تیرے منھ سے ہی نکلتا ہیڈ ہے — سبزہ رنگ آج ہی تو زہر اگلتا ہیڈ ہے

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جوشے ساتھ پیلے گات — کیا کہوں آگئے طوطے میرے ہاتھ کے رات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کر تدبیر آج — دل مرا چاہے ہی سیر سبزۂ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں دل آیا بطرح — عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا بطرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر
تھا اسی دن سے دعا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

دلا مت دوڑ تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر
پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پانوں کائی پر

سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں خضر سبز
دل میں جوں صوفی صافی دن کے ہوا نواز سبز

کائی ملدو تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس
دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق
جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف
زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگو پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل
اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں
میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ ہیں
کھوئے ہے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہیں

اے سبزہ رنگ ہاتھ دے لے میرے پان تو
یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی
چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دن رات کی
چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی

اس جڑ پالے میں بھی کم ہو دینگے لہری ہمسے
سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہمسے

یارب سبزہ رنگوں سے اب دل میں غم بھر آیا ہے
کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

از بس طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے
یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفےٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد ۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من
بوسہ وہ شئے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مفروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ ان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت　　　ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا　　　ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو کبھی شربت دینا۔　　　ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہاے ہمغز ناریل کی طرح　　　سر بسر ہے دماغ کی صورت
اٹھ گئے ہاے داغ دنیا سے　　　غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں　　　جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا　　　میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر اُن کا تذکروں میں　　　ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں　　　شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منجور۔ منشی اسد اللہ نام تھا۔ جھجھر جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دوگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔

سو بہانے مجھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے	لاکھ صورت سے اچھی بات بنائی ہوتی

کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل	جلنے کے تر، غمسے مجھے پڑ گئے لالے

سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے	لو اور سنو یہ کبھی ہوے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے	صحن میں پا کے بے حجاب مجھے

چھپیاں لیں گلے سے لپٹا کے	پھر لیا زانووں میں داب مجھے

رنگتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں	کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج ۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے	اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانائی ۔ ادیماق تخلو سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطائبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام از پے غسل جماع	گشت رہبر طالع میمون من

کیسہ مالے با سرین چوں بلور	بہر مالش گشت پیرامون من

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق — جملہ شہوت گشت در تن خو من

طرفہ... بر سر... م بنہاد — کاش بودے ... او در ... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منھ چڑانا ہو اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کردیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چندروز کے بعد یہ بھی نہ رہا پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۱۹۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو ماردیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو اب تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مہتر تمہاری جھاڑو سے افسوس آج تک — سبزہ ہے رخ پہ یار کے اوصاف بھی نہیں

مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی — بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو

ہمکو اسے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا — جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ ٹوکرا

مہری۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا - اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی - چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ - چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں - حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی - تو گر پڑے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمایش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے - مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے -

مرا با تو سر یاری نماندہ است | دل مہر و وفاداری نماندہ است
ترا از ضعف پیری قوت و زور | چنانکہ پاے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے - یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہوگئی - اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کردیا - مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را | زیں واقعہ شیون است مرد و زن را
افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود | پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے بیان کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی - مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی -

در خانۂ تو آنچہ مرا شاید نیست　　بندے ز دل رمیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال　　آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڈھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا۔ تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زن نوجواں اگر پیر بود　　چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثل است آنکہ گویند زناں　　در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرۂ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد　　وز جملۂ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زریں نعلت　　بر گل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا
بفگند و بکشت گفت کیں سخرا

سرباز بہ عذر می نہد بر پایم
دم میدہم تا بہ کند پوست مرا

قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست
گفتا بسر کینہ کہ این واقعہ چیست

من پیرم و ۔۔۔ من نمی جنبد ہیچ
وین قحبہ مریم است این بچہ زکیست

آنی لکھنو ہیچ کس تو چیزے نہ دہی
صد چوب مغل خوری و تیزے نہ دہی

منکے کہ از و روغن بزرگ گیرند
گر بر شکمت نہند تیزے نہ دہی

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا- بڑے حریف وظریف تھے - نادر شاہی لڑائی میں زندہ تھے - سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے - میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو- سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو- بندہ بار یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند- و مردماں را بخندہ می آورد و خود نمی خندید- مگر گاہے تبسمی میکرد - در طفلی شاہجہان آباد جواں از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن- اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں- " در اوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف ذظرائف مردماں را بخندہ می آورد و خود نمی خندید- مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں- " اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے- امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے - راہ چلتے سے اُلجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے - مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے دا کہ ایک شخص نے بھی ان میں سے ظرافت کا ایک شعر نقل نہیں کیا- مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ مل سو کم مت پیچ کھا	مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا
رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تلک بہلا	چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا
اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو ننگا	بھنور میں دیکھ کر جمنا اسے غوطے میں جا گنگا
نہ ٹوکو یار کو کہ خط رکھاتا پانسڑا آتا ہے	مے نشہ کی خاطر لطف سبزی بناتا ہے
جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے	شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک
ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا	جھنجھنوں سے وہ دہ کیا ہے انھیں جھنجھنا دیا
جان سے جیوڑا ہے دلبر ہے	پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے
لب جان بخش آگے تیرے سخن	جو مسیحا کا نام لے خر ہے
جہاں دل بند ہو ناجی کا یاں آتے خلل کیسے	رقیب الو لدنا شیخ گویا لڑکوں کا باوا ہے

ناز سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں ۔۔۔ مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی ٹٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ شکار اکثر ۔۔۔ جناب شیخ کو انداز ریشا کل پسند آیا
ہماری گردش قسمت کھاتی ہے انہیں نلّے ۔۔۔ قلاوریل کو بھی انداز پیپرل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا ۔۔۔ پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا
فَعَلَ یفعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر ۔۔۔ ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب بلیڈر نہ کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب ۔۔۔ اب تو کنڈر کا انگرکھا بھی مراسل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار ۔۔۔ شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر ۔۔۔ لیلی اچک کے پردہ محمل میں رہ گئی

اتنے وہ قتل کر دیتا ہے جس نادان سے ملتا ہے ۔۔۔ نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو خیا آئی حجاب آیا ۔۔۔ مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلچھپ مچائی بزم رندانہ میں ۔۔۔ لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے ۔۔۔ پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھکو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسین معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ دلہن بن جائیگی جسدن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا ۔۔۔ رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہو گیا
ہول رسالہ میں بھی اک تذکیر و تانیث کا ۔۔۔ رات بھر مرغا رہا اور صبح مرغی ہو گیا
اس مس بکس کے رخ پہ دی جو بوسہ کی تکلیف ۔۔۔ دو لگی کہنے کہ او دل کیا نوابی ہو گیا

کل جو گڑیاں کھیلیں آپ نے لطف حاصل ہو گیا — وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا
اب انھیں یہ فکر ہے اسپر کریں کچھ فکر ستم — اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا
اب اس بت کمسن نے ڈالی ناک میں جس کی نکیل — اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا
دیکھیں کیونکر کہیں آخر بت بے پیر سے — وہ ابھی بچہ ہی ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب سبزہ زار میں — گھر کھو گئی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں
لیلیٰ کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے — مجنوں میاں ہیں دنبوں کی اگلی قطار میں
مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر قیس پر — ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار سے
لیلیٰ کے ساربان کے شتر غمزے دیکھئے — مجنوں میاں کے کان ہیں جس کی مہار میں
معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی — وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں
دعوت کے ساتھ ہی مری الٹی ہو گئی — بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں آپ نے بگھار میں

بیری پہ بیر کھائے وہ ماہرو ہمارا — بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا
ملتا تو مرغ تھے شتاب بیٹھ مانگتا ہے — ہم سے پٹا کرائی کیا آبرو ہمارا
کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ — دیکھا اسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں — کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی ہو یا دہن میں
جب چار بج گئے تو بجا گئے وہ وصل کی شب — کیا سحر تھا آہی ٹن ٹن ٹنا ٹن میں

دشمن کے لئے تیار ہے بلی والا — کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا
کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں — تو ند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر — ڈبیا دیا سلائی فریاد رس آہی

رات دن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے — آپ ہیں پوری بلیٹڈی یعنی خاصے فول ہیں

کیا قلندر رہگیا میں کیا چھندر رہگیا — ریچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہگیا

سیکے منڈی سے دیا پورا مجھے انچور کا — عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے — کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے

اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو — شب فراق مگر سب غموں کی نانی ہے

ہر اک لچک میں ہے مضمر تال جوش شباب — کھنچی ہوئی بت سفاک کی کمانی ہے

یہ کس کے غم میں بنے سوگوار چرخ آخر — کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں دونے ہزار دانہ اسکے اوپر رات دن سا — وہ بت بدخو مزار شیخ سدو ہو گیا

جب سے دشمن نے پڑھا ہیں پٹیاں اس شوخ کو — سچ تو یہ ہے میں تو بس آسدن سے الّو ہو گیا

تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں — تانہ جیسے اک سیہ اطلس پہ الّو ہو گیا

یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا — مرغا ہوں مگر کوکڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر — کوہکن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مر گئی

خیال اُن کا رہتا ہے سر پر سوار — [illegible] اسی... وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں

سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز — تپ غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں

ہے معشوق میرا جو مجھ سے بڑا — اُسے [illegible] سب مری دوا جانتے ہیں

جو ہم خوشی سے کسیر و سا سر منڈاتے ہیں — تو کس غضب کی وہ آگ چپت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے حسن نادان سے ملتا ہے — نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین ۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے ۔ مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان اداشناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم تواں بزور قوت سہراب طاقت کا ۔ نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے ۔ اس کے تہمتن کے آگے زور آزمایان ورزش خانہ طاقت کا سر جھکتا ہے ۔ اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشۂ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے ۔ اور یاران ادا فہم اور حریفان اداشناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفرین شعبدہ ایجاد کا ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ" بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے ۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے ۔ یہ صاحب دیوان تھے ۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے ۔ دیوان ناپید ہو گیا ۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے ۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی ۔ چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے ۔ جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے ۔

سہیں ناز نیں رنج کرتی کسی کا — گیا جب سے یار اور حرمت سے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے — اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب ہوا لونڈیوں کو رلایا — کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت — غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم — میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں تذکرہ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

ناز نیں اتنا بھی ہرجائی پنا — یہ تمھارے آ گیا کیا دھیان میں
روز اک جھگڑے کی ہیں ٹھانیاں — روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جوان کا — بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور تیا تنا ہو — موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے — اے نگوڑے آدمی تو تو حیوان ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا — عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں بستا
ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر — لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا
میری نماز کھوئی اس مردوے نے آ کر — اٹھی تھی اے دوا ہیں کمبخت ابھی نہا کر
اے زناخی مردوا ہے بدگمان — تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں
رات بھر جو دہی بات اور وہی چوما چاٹی — اے دوا ایسے ندیدے سے پڑا کام مجھے
فوارہ کس طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے — تم اک بوند پانی پہ کتنا اچھل اٹھے
دس گھر تو جھپٹ چکے ہیں کیا تنگ کروں خصم — کس جا بٹھائے دیکھیے اب آسمان مجھے

نازک ۔ دور موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب داد ظرافت دیجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہاں تک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا ۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے ۔

خدا بچائے بوا مردُوں کے دیدے سے ۔ کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ نِدیدے

کوساجی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی ۔ ساتھ لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنّو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی ۔ طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی

انگلیاں بھونک کے آنکھوں نہیں جگایا شب بھر ۔ نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی

میں تو لالہ رخ نہیں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں ۔ منھ سے کہہ لے ہمیں یہ سنے دکھائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنّو ۔ پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیے جاتے ہیں

اکیلی رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا ۔ جو کا بھن کا یہ سمجھانے لگی موئی چٹخ

ندیدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا ۔ اب انڈے دے کے بھی لگا نیلگی موئی چٹخ

بیوڑں والی پوتوں والی ۔ ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی

دانتوں میں مسی [illegible] میں سہا ۔ ماتھے پہ افشاں ہونٹوں پہ لالی

میں نے سب کو سمجھا ہے ۔ سب ترا میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسیوجہ سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہوچکا ہے عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اب اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار میں شائع ہورہی ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹[illegible]ء میں آپ سے نیاز حاصل ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اُسی نیاز کے حال پر مبذول رہیں۔ گو اب عرصہ سے خط وکتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اسوقت تقریباً ۵۴ - سال ہوگی -

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام و خاکا — اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑھائے ہیں دوشالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بلطوا — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ آکر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر ہو اسے

رنجش سب بے جا نکالی جائیگی — یہ مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو اٹھالی جائیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کوتوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دسترس پاؤں تو دریاں بھی چھٹے پاؤں تلے — ماسو دل ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کرکے پریشان کیا کرتے تھے ان کے لیئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ پھبتا ہو گیا — مو تنا آیا نہیں اور اونٹ بوڑھا ہو گیا

ایک مرتبہ نادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطنیں پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں   جز خوبیٔ بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر   ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بدنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں   ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب   داوی ڈھرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے بدلکر بدخو   ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
بیوجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے   اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جرمنی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں۔

جو گولی سے مارنے کو تھے تیار   وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے عداوت ہی جنہیں   ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آبرو کھوتا ہے   سچا جھوٹے [illegible]وتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے   سنلو یارو جھوٹے کے منھ میں گو ہوتا ہے

نسبت — میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

نا سے گوز بند ہے اثر نالہ کا

حالوں میں گو پڑے جو کہ تھا نذار کا

پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

رعب سے پیشاب خطا ہو گیا

گوز کے مانند ہوا ہو گیا

نے … پنجۂ مژگاں سے جھاڑا اپنا پائخانہ آج

لو … چاہیے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

…ل … ہو گیا پھر آجکل ان کو خلل سرسام کا

…یا ست … گو اچھالے گا بہت چرکین اپنے نام کا

…رکے … غرض اظہار کے قابل نہیں اذہنا اپنا

…صاحب … پادنا بھی محال ہے صاحب

…سا پہ … ق … یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

…ماں اسپر … لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب

…دوں گا … پائخانہ میں سب لگاؤں گا

…آؤں گا … سیر دریا انھیں دکھاؤں گا

…جو اب کے جاؤں گا … موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

…سا تیرا عاشق ہوں … گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

…یری پر سے ہنستے ہو گیا … آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا ہو جائیگا

…سے تم اس کے خفا ہو گئے … مہتر و خوش رہو چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

…ل سرکشی کرتا نہیں … سامنا پھسکی سے ہو سکتا نہیں پادکا

…ہمت کا پسینا تر ہو … تھا اگر گوز شتر نالۂ دل ناشاد کا

(۱) پادنے میں شیخ کیا میرا کرے گا
یہ دعا ہے روز و شب چرکیں کی گو گا پیہ

چناں ۔ اس تخلص کا ایک مختصر دیوان ہے

احباب سے معلوم ہوا کہ جناب آغو صاحب جلیس کا یہ
شاعرِ تھے تفننِ طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی
استغنار اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس
ظاہر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر سعد
جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں
ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جز سمجھکر اپنے کلام
میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی زمرۂ ظرفا میں شامل
اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھ
صحیح نہ ہو۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھکو یقین دلا
ہو ہی نہیں سکتا۔ ظرافت کی برجستگی، شوخی۔ محاورات کا اس
سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب
اندازہ فرمائیں گے۔

اثر تھا یار غمِ ہجرِ یارِ پُر فن کا ۔۔۔ مرے پلنگ کا کھٹمل ہو
یہ نامہ بر ہے پتہ میرے یارِ پرفن کا ۔۔۔ کہ اسکے در پہ الٹ
گلے میں ڈالدے میرے بھی عشق کا پٹہ ۔۔۔ کہ میں نے دیکھے ہیں
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے ۔۔۔ نہ کیوں گا گلی کے اس
کرو علاج اگر سر میں بال خورا ہے ۔۔۔ لگاؤ تیل تلی تا اثر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر | وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر | ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں | پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں | سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

توچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بھنیا یہ گزرتی نہیں ڈھڑ ہو | اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڑ ہو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڑ ہو | کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڑ ہو

ایسا جو مرے پاس لگے جا تنگی چھا ہنو | اک روز مجھے گھر سے نکلوا ئیگی چھاہنو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی جاپنو — وہ کون سا دن ہوگا [illegible]

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی وہی آن ڈھلی — آؤ پڑ دمن. کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

نگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور رہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو اُن کے احباب نے نگیلا صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کر لیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور وکم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے

چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے -

چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی — پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی — قسمت کھو ہے کسکی شامت کسکی آئی
جب ایک سکا بھی تمسے مطلب نہیں نکلتا — لے لیجے [illegible] نیا ہے مفت سائی

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو — لگ جائیگی پھپھوندی کہتے ہیں جسکو کائی
دشمن کی آگ ابتو دشمن کو پھونک دے گی — اب ہو گئی اُسکی ڈبیہ دیا سلائی
اب تو مزاج دشمن ٹھیلو نہ چل رہا ہے — اُنکے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی سگائی
اُنکے دم قدم کا اغیار میں شہرہ ہے — چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی
بے شبہ اسے نکیلے تحقیق ہے سلف سے — جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں برائی

پیر مینحانہ نصیب سے اگر تو ہو جائے — بے پئے پھر تو عدو کا منھ کالا ہو جائے
بات تو جب ہے کہ اک چھو میں نفر ہو جائے — میرے آگے سے عدو نو کدم آہو ہو جائے
دام تزویر اگر زلف پریرو ہو جائے — اس بھنور جال میں پھر الجھی الجھا ہو جائے

شب وعدہ بہت رویا انیس خم پنہانی — وفور شوق سے خلوت میں گھٹنوں ہو گیا پانی
چکیدن بے محل ہو گیا ہے اے ابر نیسانی — نہ ہو لطیف صدف میں بوند جیسا لعل بدخشانی
عیاں تھیں ہر مسلماں میں کبھی اسلام کی شانیں — مگر اب تو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمانی
بہت مشکل تمہارا راز آشنائی کا سمجھ لینا — مگر چالاک دشمن او کسی کا وقت نادانی
کہیں تذکیر کی تعریف میں پھرتا ہے مستانہ — کہیں تانیث کے پردے میں ہے آوارہ مستانی
شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہماں — کبھی سنبوسہ بلسن کبھی ہے کشت بریانی
نکیلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہے — تو اب پہونچا پکڑنے کیلئے کافی ہے دربانی

رہنے والا عیش منزل کا نئے مسکن میں ہے — خون حسرت گردش ایام سے گردن میں ہے
پیٹ کی خاطر سپاہی سرکف پلٹن میں ہے — تان نفقے کے بدولت برتکے دامن میں ہے
شہ سواری کا ہنر چابک سواری کا کمال — صرف اک راز خفی ہے جو نہاں آہن میں ہے

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور
سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے

شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر
ذائقہ کچھ اور ہی گھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے

ہے مری فردِ خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ
عفو کا فرمان یعنی رشتۂ سوزن میں ہے

چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ تکان
جنس ہستی کا ذخیرہ گو مرے دامن میں ہے

مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال
جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

یہ بندر بھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے
نیامِ طیش میں شمشیرِ مادر زاد رہنے دے

چمن میں چار تنکوں سے بنا ہی آشیاں میرا
بچا کر اپنی جھاڑو سے انہیں صیاد رہنے دے

رہے تو جب کبھی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے
نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے

زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے

مجھے تاڑی کے قطرے اگر دینا ہے اے ساقی
مرے دشمن کو پینے کو تلی میں گاد رہنے دے

اگر جاتا رہا تو پھر کھجانے کا مزہ رخصت
نکر اسکا تدارک اے مسیحا داد رہنے دے

مونج کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے
اس ادا کے بھیس میں کنجڑے کے میرا یار ہے

یہ نہ سمجھیں آپ ہستی ٹاٹ کی بے کار ہے
یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزلہ مینار ہے

چار میں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے
بے حیا بھی کیسی پکی بے حیا تلوار ہے

یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے

نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے
یہ پرانی چال کا کھٹملہ بھی موٹر کار ہے

پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو مجھے
دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوپار ہے

یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس
کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے

فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری
محروم دامن ایک کا مردار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتھیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر — زیر دامن اب یہ کس کا تحفۂ کردار ہے

آباد ہے الو سے ہر قبۂ ویرانہ — ہر ٹھونٹھ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل ہے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل ایسی جو گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شب وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ
جس طرح کمینوں سے رونق ہے مکانوں کی — آباد کیلئے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بند دل بہت تم دیکھو — گر د گہا نہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جائے
اب طویلے میں نہیں آپ کے ٹانگن کوئی — آپ کے تھان کا اب تو مرا ٹٹو ہو جائے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے
ہے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوک ناز اگر دل میں ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ — بے شرم ہے چلیں بڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی ٹانگہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پاؤں ہوا ہے جو آپ کا — شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو — اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چین سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص [illegible] جب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے " مائی ڈیر مسٹر اودھ پنچ - گڈ مارننگ قران شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الا انہم فی کل وادٍ یہیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے - میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی -

غیرت نہیں اس سبب جئے جاتے ہیں — جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ ونراٹ وہ روتے بیٹھے — افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

مزے سے مری یہ گھڑی چل رہی ہے — زباں وقت کی ہے بڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی — یہ تسبیح کوئی بڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانکے — اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو — ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریا یہ بخشا سے پکا پلاؤ — جو کھتے نہ پڑے تو ہمکو بلاؤ
کریا یہ بخشا سے پکے ہیں آم — نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریا یہ بخشائے پکے ہیں بیر — [illegible] کے کرو تم نہ دیر
کریا یہ بخشا سے پکی کھجور — بلا [illegible] میں ہمکو حضور

کریما بہ بخشائے پلکے کباب — بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بہ بخشائے پکے کٹھل — اسے کھاکے ہو جاؤگے تم اچل
کریما بہ بخشائے پکی ہے دال — اسے کھاکے ہو جاوگے کنبہ پال
کریما بہ بخشائے پکی ہے نان — گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بہ بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ — گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بہ بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ — نہ ہر سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بہ بخشائے پھولی ہے آنکھ — لے رکھکے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بہ بخشائے ٹوٹا ہے سر — کوئی آکے لے جلد میری خبر
کریما بہ بخشائے دھوتی پھٹی — مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

نداریم غیر از تو فریاد رس — مزا آئے ٹپکے جو گنے کا رس
نگہدار مارا ز راہ خطا — کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زباں تا بود در دہاں جائے گیر — کھلا یا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا — پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا
سوار جہان گیر یکراں براق — کھلادو مجھے ایک روشن طباق
چہل سال عمر عزیزت گزشت — بری ہے تری ابتلک سرگزشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی — ہمیشہ نظر تاکتی تھا نکمی
مکن تکیہ بر عمر ناپائدار — پہن کوٹ پتلون پھینک اب ازار
دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم — نہیں اسکی پاکٹ میں دام ودرم

بوجھ تھا سر پہ جو اتر آیا — سر پہ احسان پڑا ہے نائی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا — پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں سٹری — چھوڑ و پیچھا نہ تم سدائی کا
ترشروئی نہیں ترے منھ پر — ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سامیری سہیلی ہے — گھٹا چھائی ہے رحمت کی بڑا اللہ بیلی ہے
شعر لکھتا ہوں مگر ملتی نہیں کوڑی کوئی — لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دمڑی کوئی
پالی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی — مشہور یہ غلط ہے کہ فضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چار باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ و شام — کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر — از حضر رخت بست سوئے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت — باز سوئے مکان خویش شتافت
چندگہ راہ بادیہ بہ برید — تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے — کہ درو بود یخنی و نانے
چوں بخوردن نشستان سرمرد — عربے در رسید بادیہ گرد
بددی چوں شنید بوئے طعام — پیش رفت و ستادہ کردہ سلام
داد او را جواب و گفت کہ — پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سرائے توام — دشت پیمائے از برائے توام

گفت از قبیل من خبر داری — بدوی در جواب گفت آری

گفت چون ست احمد آن پسرم — که ز هجرش کباب شد جگرم

گفت از فضل و رحمت یزدان — باغ حسن ست خرم و خندان

گفت چون ست مادر احمد — گفت صد چون برابر احمد

گفت چون ست قصر و ایوانم — گر غمش بر فلاک شد افغانم

گفت آن قصر دلکش و ایوان — داغ رشکے ست بر دل کیوان

گفت چون است آن سگ در من — که بود بهر شیر نر بر من

گفت او خاک آستانه تست — روز و شب پاسبان خانه تست

گفت آن بارکش شتر چون است — کز غمش دامنم چو جیحون است

گفت بادے که فربه است چنان — که مساوی است پشت با کوهان

چون عرب قصه را شنید تمام — با دل جمع کرد میل طعام

خورد چندان که سیر گشت از آن — بدوی را نداد و بست انبان

بدوی چون خساست او دید — بر خود از درد جوع مے پیچید

ناگهان دید کز کناره دشت — آهوے در رسید و تند گذشت

بدوی چون بدید آهو را — از دل خسته جست آه او را

چون عرب آه دردناک شنود — گفت بادے که آه بهر چه بود

گفت ازین بود کان سگ در تو — گر نمیگشت صدقهٔ سر تو

آهوک را نمی گذاشت کنون — که ازین دشت جان بر بیرون

گفت لے واے آن سگک چون مرد — گفت از بسکه خون اشتر خورد

گفت خون شتر که ریخت بگو — خاک بر فرق من که بیخت بگو

گفت کشتند اشتر سره ات — که دهند آب آتش همشیره ات

گفت لے واے ز جه ام چون مرد — رخت هستی حیاں بخاک سپرد

گفت از لبسکہ کوفت سر بزمیں — از غم فوت احمدِ مسکیں
گفت اے وائے چوں گزشت احمد — گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید — خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ خیل خویش گرفت — بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جاے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینہ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

یہ سب ہے ـــ

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لمپ سگرٹ کیک توس — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
منبچوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے — دودہ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اس کا اور اس کا پانوں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب اک لڑکی ہو گئے

اے بی جو نہ کہتے تھے بی بی کہیے — دائی جو نہ کہتے تھے دہکی کہیے
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ بیچ نہیں — نکتائی نہ کہتے تھے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بٹ گیا ادنیٰ — عطر شرما گیا لونڈر سے

یہی اچھے برے ہر حکم انجام دیتا ہے — اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب و حبیب کر — جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو نحیف اس کو ضرورت دوا کی ہے — شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر — مرغی کڑک ہے مرغ ابھی ہے گریز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے — عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے
عقد بوڑھے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو — مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بندھ گئی — سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

---

cane
کیونکر نبھے گی شیخ سے لیڈی کی رسم و راہ ✓ موٹا سلا ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کین ہے

الٰہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری — پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کیا دوستی بڑھائیں آپس میں کیا بنائیں — ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل ہیں — بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں — وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں ۔ پرائی بدشگونی کے لیے کٹواؤ ناک اپنی

بٹے دن میں یہ کہکر لیڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں ~~ جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں

تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا ~~ عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس شیریں دہن کی گفتگو ~ مجھکو انگریزی مٹھائی ہو گئی

ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب ~ اپنی بی بی تک پرائی ہو گئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ ~~ وہ ضعیفی میں ملائی ہو گئی

نوری ۔ ملا حسین شاہ نام تھا ۔ مشہد کے رہنے والے تھے ۔ غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے ۔ اکثر شاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی ۔ نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوے تھے ۔ مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آ گئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب وغریب بنا دیا تھا ۔ اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے ۔ صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے ۔ مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضائع ہو گیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں ۔

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں ۔ کنند لوح مزارم ز مہرۂ دندانم

سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو سہم ۔ ہیکد گر نرسد گر بلب رسد جانم

حرف واو

واحی - مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات و رشتہ داری کی وجہ سے خود بھی دہرتر پور تحصیل زمنیہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا حداثت سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا۔ واہی تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ مشغلہ اسی تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اسکا بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں دلی کے مشہور و معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ واہی جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت
سے ملے - اور اپنا کلام سنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی
دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے
سُناؤ ضرور سُناؤ - انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سُنایا
مرزا نے تخلص سُنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے
واہی - تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی
رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت
کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے
بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی
واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہوگا - لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بات
بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ ا
داحی تخلص رکھو - حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہو
گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہ
برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سن چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ
میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل
پہ غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے
وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے
مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر
کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جسمیں ظرافت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کرلیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لیئے تجھکو چاہیئے ۔۔۔ رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر تحفہ دیا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہوگیا - واحی نے کافی عمر پاکر ۲۱ سنہ ۱۹ ء میں بمقام تحلہر مریور انتقال کیا - آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ اسیوانی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

سیر ادھی رقیب ہے بھوا کہیں جسے	ایسا ہی رو سیہ ہے کہ کوا کہیں سے
آے طوفان جو وہ بت پہ تسلسل موتے	ساری دنیا ہوتہ آب اگر کل موتے
واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے	دہن تنگ میں ہنساک تانک دہری کٹ تانک دہر آگن
بل دکھائیں جو کہیں آپکے گیسوے دراز	سانپ دہشت سے لگے خوف سے سنبل موتے
غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا	کیوں نہ حیرت ہو مجھے حب تبہ ی کا کل موتے
ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے	بادہ پی پی کے جو واحی بہ تامل موتے
قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے	کیا قیامت ہے کہ اسپر بہ تجاہل موتے

گدُ ناگدار ہی ہے چماری جوناک پر — تحریر ہو رہی ہے یہ تقدیر ناک میں
مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے — ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں
واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح — دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے بسواں ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں۔ مگر بہت کم شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسیوجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہوگئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کرمنل کورٹ سے بہتر کوئی کچہری نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی زادے — مستقل ورڈ میں جنکے لئے فادر ہی نہیں
پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سلاکٹ — ان بڑی بی کو کبھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

علم کی ہو گئی ہے وہ بھرمار　　ہیں برابر شریف اور چمار
بی اے کرتے ہیں مر مرے کی دکان　　ایم اے بیچیں چاروں میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ آ پا رکھ ہیں　　بنواس بھجیں گے خود نہ ہنس کیسے نیک ہیں

واہ ایک مجہول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں

ہمارا خط لئے جاتا تھا اور حسید کے گھر پہنچا　　کبوتر کیا تھا میرا نامہ بر الّو کا پٹھا تھا
ذرا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محفل سے اٹھوایا　　نہ لنجا تھا نہ گنجا تھا ۔ نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا
نہایت شان سے میخانہ میں آیا کل اک واعظ　　بغل میں بوریا تھا کان میں مسواک تھی ملّو تھا بہلتا
خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے　　نہ لیلیٰ ان کی نانی تھی نہ مجنوں میرا دادا تھا

واہ ۔ وحید الحسن نام ہے ۔ ایک زمانہ میں کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے
زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے ۔

کبھی دیکھی جو صورت شیخ کو اس آفت جاں کی　　ملا کھانا نہ پانی ہم نے دن بھر خاک ہی پھانکی
ہمارے یار کی باد صبا اک مہترانی ہے　　صفائی روز کر جاتی ہے آ کر کوئے جاناں کی
دکھائی دور سے ایماں کی گٹھری پھر کے مجنوں نے　　کبھی لیلیٰ سفر میں با پردہ محمل سے گر جھانکی
شباہت چھوٹی آنکھ منہ پر تیری تو لیلیٰ کی ہے　　ہوئی ہے گرم بازاری ہی باعث ٹیاں کی
خدارا کچھ حیا سے سمجھا کے لیلا گھر میں تو آ سکے　　بری حالت ہوئی ہے ہجر میں مجنوں کی اماں کی
منڈا کر داڑھی مونچھیں پاٹا کرتے ہیں دلبر کا　　ادھر تصویر پہنچاتا ہے کالج کوئے جاناں کی
وہ تتلا کر کبھی کچھ انھوں نے بات کی مجھ سے　　خدا رکھے زباں اب کل یہ ہاہا ہو میرے ٹیاں کی
لداکھڑ تا ہے بات ہجر واہ کی ہو جان آفت میں　　کریں کیا یار کو جھٹ پٹ پہنچے ہا دت ہے گھڑیاں کی

وجود - سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقراں تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رکرنے جرف میں جب جھکایا بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت - آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے سنہ ۱۸۹۰ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لایعنی سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ وہی رہا۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں۔ زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بمقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے۔ میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور اُن اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم و جاہت میں لکھے ہیں۔ نمونۂ کلام

واعظ اور سرسیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الٰہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دل میں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلا — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا

چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم — سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مستِ نوم
یادِ خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم

کچھ ڈر نہیں جنابِ رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا راج — اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر — کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
ہر سو نئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرِ دہن مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر
یوں ہی خشک آبرو وضو سے ہوا نہ تر

سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا ۔

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی
چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی

ہوٹل میں جائیں سیر کریں کافی شاپ کی
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں
میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں

دلدار و دلستان و دل آرام و دلنشیں
نوخیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سپریوں کا واسطا
اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا

اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا
رُک گئے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام
افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام

پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام
اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں
پیرو دین مسلمانی ہوں میں

دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی
صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام | معتکف یا قطب ربانی ہوں میں
آ گیا تنا نوے کے پھیر میں | حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں
نفس امارہ کا دشمن بن گیا | یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں
کیوں نہ درد قوم کا دورہ اٹھے | غمگسار نوع انسانی ہوں میں
ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار | افتراد مکر کا بانی ہوں میں
یہ مری ریش مقدس واہ واہ | خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں
کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ | اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں
اے وجاہت یہ سرا اصل آل | سچ یہ ہے ننگ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یورپین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدر النسا سے | کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے | پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں | خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا | لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی بند محرم | چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑائی میں بڑھ کر ہو بھٹیاریوں سے | چلاتی ہو بیڈ سب چھری اور کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا | نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید | تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں | یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے | ٹرے بھاڑ چولھے میں یہ وضعداری
کہا سن کے بی بی نے لے میم صاحب | بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے ‏ ‏ بہت تم نے پڑھ پڑھ کے قینچی نکاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر ‏ ‏ بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہردم ‏ ‏ تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاندماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں ‏ ‏ جھجکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت ‏ ‏ پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہن کر ‏ ‏ کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا ‏ ‏ نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی ‏ ‏ بیاہی مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں ‏ ‏ نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا ‏ ‏ بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا ‏ ‏ حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی ‏ ‏ ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری
نہیں ملک میں رعب داب اپنا کچھ بھی ‏ ‏ حکومت سے کھینچی ہیں باتیں ساری
مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو ‏ ‏ ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

عجب کیا ضعیفی میں قد شیخ کا ‏ ‏ کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گرے اسمیں عشاق کے دل بہت ‏ ‏ ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میر ساماں ہیں میکدے کے شیخ ‏ ‏ ان کے گھر کی دکان ہے گویا
خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں ‏ ‏ یہ حسینوں کی دکان ہے گویا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے ‏ ‏ یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ وقت دیکھا نہیں جوانی کا
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں تیر کس دو ذرا کمانی کا
قیس دیوانگی کی حالت میں راجہ تھا بن کی راجدھانی کا
سوت کرتی ہے چار روں خانے چت ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آ نہ سکا ڈر کے ہٹ گیا بزدل نہیں تھا بزدل تھا کہ یوں صفا کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھ دیا کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں سے لٹک گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح ق یہ جانتے تھے اسکا لبراب یا پ کٹ گیا
لیکن وہ دم چرا کے پڑا تھا زمین پر رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا کوچۂ یار شفا خانہ ہے بیمار دل کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا ہماروں کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو میرے خون سے توسن عمر رواں پنجاب دلدل کا جواب
ہے خم محراب ابروے صنم کیا خوشنما بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ بہ چمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمین پر — نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکے وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا — دولہا کے منہ پہ لگتی ہے آکر دلہن کی شاخ

رند چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج — نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے — ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس نے کیا حاصل — اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے — جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے — دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے سے آشناؤں کی صحبت بھی — ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج — کہ باندھے پر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل — وہ اسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر — اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھول کر کبھی — میں اُن کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ — تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کبھی مے کی مذمت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے اذاں بھی ذرا — آدمی کوئی اگر ہو جا تو راستا تو ہو

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تیرے — قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر ہونا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں — عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت — پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہر بس دم کی ہے جاں نثار — ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے — مصحف جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری — سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی — رقیب کو وہ مدار المہام کرلیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ — پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں — وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا — ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اکدن — سگ لیلی کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام — چو قا چو بند یہ بچھیرا ہے

جو اس اُن کے جاتے رہے صبح وصل — مزے گھر نئی پھلپھڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے — یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں — وجاہت ہی کی جھونپڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہِ ناز سے — لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہنے کو سے دلربا کے سامنے — تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعرا میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور اُن سے رات میلے میں — میں کہتا تھا نہیں چل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کف پا کا مجھے دیدو — لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کہیں پا کا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مادل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعرائے متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر ملے۔

لیا ٹک جو آغوش میں میں تو بولا — ارے چھوڑ کب تک ستاتا رہے گا
ہاتھ میں ہاتھ لیے غیروں کا پڑے پھرتے ہو — ہم جو دامن پکڑیں تو آپ جھٹکے جاویں

وصل کی شب میرا انگیا پر اگر ہو دسترس کسا ۔۔۔ میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا - آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد - ناصر حمید - گلزار وفا - وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان - نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو - آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری - اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے - مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں -

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں ۔۔۔ نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں

نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں ۔۔۔ صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں

بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں ۔۔۔ زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں

چرٹ منھ میں تو سر پر ہٹ کی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر ۔۔۔ چڑھا کر آنکھوں پر عینک نظر برباد کرتے ہیں

اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی ۔۔۔ تو مسکرا اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں

کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے ۔۔۔ پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں

ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو ۔۔۔ فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں

یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں ۔۔۔ تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں

پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی ۔۔۔ برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے ۔۔۔ کہ شاعری زمین شعر کو آباد کرتے ہیں

حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں ۔۔۔ اگر بابو کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں

بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن ۔۔۔ بھلا کیوں ناولوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

نہ ہو جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے ۔۔۔ اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے — ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے — کہ ان کو تو یہ ہر دم فول لکھکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُنسے — ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۱۰۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہیگا
رضا گر مجھکو دیتے ہی کرونگی گھر میں جا وارد

مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جا دونگی چھوڑ
اگر مجھ ہو دیگی فرصت صبح پھر آؤنگی چھوڑ

ہاے واے۔ تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھاے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا۔ جس کسی کو خبر ہوئی۔ سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی۔ ادنمیں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب بے تعداد ہیں بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہے واے تخلص پسند کیا ہے۔ تاریخ میں امیر داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶- مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو۔ مگر مجھکو صرف یہی ملا۔ جو مع نثر نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اسیوجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر کبھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں - کب جب میں بنا تھا - بلنے سے یہ نہ خیال فرمائیے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمدللہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شرا شری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اس وجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری ٹپہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کرکے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع نو گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے -

روتا ہوں کبھی روتا ہوں

دیکھئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ — دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ
کس کو غزل سنائیے داد کہاں سے لیجئے — روئیے اور رلائیے ہائے امیر وائے داغ
کرتی ہیں بیبیاں بین چوک میں اکثر شیون — غل ہے بجائے یا حسین ہائے امیر وائے داغ
کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے — کہتا ہے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ
وہ جو ہمیں ستائیں گے ہم بھی کہیں ہی جائینگے — مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ
ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے — غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ
بسکہ مرض تھا لادوا ہونا تھا جو وہی ہوا — دابا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ روداد ہے اور نہ غزل ہی یا ہے ۔۔۔ رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر وائے داغ
غم سے جو آپ میں نہ آئے سال وفات کیا سنے ۔۔۔ کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے امیر ہائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم حضوری رہ گئی ۔۔۔ کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی
میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا جان پر ۔۔۔ مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا ۔۔۔ میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھسے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات ۔۔۔ سال تاریخ مسیحی سے جو دوری رہ گئی
پر کتر کے لے گئے داغ اور از روے قلق ۔۔۔ شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرد تخلص صابر تھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیا میں پیدا ہوے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودہ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا جسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف بحثوں پر آپکے مضامین اودھ پنچ

میں شایع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات ورسائل میں
آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی
کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا
شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں
میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر
میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ
رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔
یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کرکرا ہو گیا دے چرس — نداریم غیر از تو فریاد رس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چوں مس قلب را کیمیاست — کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی رہ گیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگالے اگر دم سنبھل — نہ بر سوز او شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — کہ ناگہ شود سر بسبز کالعدم
جو افیوں پیئے ہے وہی آدمی — نہ زیبد بہ ہر دم بجز مردمی
میاں ہجر چلیکیا ہے آٹھوں پہر — بغفلت مبر عمر در دست بسر

ہجر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک قومی اتفاق کے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ
شرف قبول حاصل کیا ۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے　　زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منھ دھونے والے　　خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے　　جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے　　نیا روز اک جوڑ پھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمہیں با خدا تھے　　بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے　　بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک　　یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک　　یہ بینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سُن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

ھدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام
مہجبہم ہو ۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ شدہ [illegible] ون
تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ ا[illegible] پناہ
نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن [illegible] معنی
کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات [illegible] خمسہ
نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں [illegible] بت
مشکل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر [illegible] سانی
کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہدایت
کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کرلی کہ
اگر کوئی شعر با معنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت
توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کرلیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہملہ
کہکر نذر گزرانا۔ تمام خمسہ میں تین شعر با معنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق
تین دانت اکھڑوا دئیے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے جلدو میں وعدہ عطائے یک
عباسی فی شعر پورا کردیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامۂ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن — بجز پینہ بر نعل آہو مزن
برغم ملک ترکتازی مکن — بآہنگ ما ہیچ بازی مکن
کہ نعل از تبسم مربا شود — بصبر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

شاش مرد عاے گوز مکن — رخنہ در ہر جوال دوز مکن
دم بجز طوم نندہ پیل مزن — سائباں بر سر خلیل مزن

نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پلے خشخاش — مکن چوں سرمہ داں حجابے نقاش

بیاباں وقت گل دروازہ دارد — کلید بوریا آوازہ دارد

نہ تنہا دوستی در کاہداں است — کہ ایں ناداں جلیبے عاشقاں است

حالات ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اور پورب وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار وعزت کا ضامن ہوگیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کرکے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آکر رہے۔ اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھیے یا شامت اعمال کہئے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ اُدھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں اُن معانی اور مطالب کی بھنک پڑ گئی جو میاں جی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہوکر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آگیا۔ جو مطالب سُنا عجیب وغریب۔ جونہی کان تک پہونچے اُنکھے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آگئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کرکے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کرکے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہکر چلے گئے۔ اُدھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولویصاحب

کو سنا دئے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں
باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دنوں میں پول نکلے۔ پس پھر کیا تھا۔ ان کو
ایک چینز ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری
کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب
ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرہ لے چلیں۔
انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی
دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھرے کا کھرا غزل
کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران
تھی انہیں کچھ اپنا تصرف کرکے بالکل دیوار قہقہہ بنا دی۔ آئے دن مشاعرے
ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد
تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ یعنی نوکدار ڈاڑھی۔
گھٹا ہوا سر۔ آسپر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو
ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انھوں نے
جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انھوں
نے منظور فرما لیا۔ آنحوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کرکے موجودہ
تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ
ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب
تک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر
نہ دیکھا تھا۔ چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی
تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ
کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کردوں — تو رشکِ باغِ ارم اپنا گھونسلا کردوں
جو آکے زیر کرے میرے آگے موسیقار — تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کردوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر — تو اُسکے نوچ کے پر شکلِ نیولا کردوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے — فلک کے ہے مقدر میں باجرا کردوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہوگئے۔ اور فوراً طائر الاراکین۔ شہیر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگے کے لئے مقرر کردیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہوگئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذرِ سیلاب ہوگیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندوبست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کردی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہہ کسکے آگے روئے — کس سے جاکے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے
تجھکو ہے حق نے کیا ملکِ سخن کا شہسوار — ہیں بجا کرنے سمندِ طبع کے یہاں پو لیئے
حیف آتا ہے کہ فنِ شعر میں کیوں کھوئے عمر — کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے بولیے
سنگلاخ ایسی زمیں ہے دیکھیا دل تا کجا — فکر کیجئے صرف آئیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتۂ عمرِ شہنشاہ جہاں ہووے دراز — یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں ہیں ہوئیے
دیدے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے — مارتا پھرتا ترا ہدہد ہے ٹاپک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہوگئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کرکے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔

راجہ دیبی سنگھ خانساماں کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے — خدا کا فضل ہے جو قلعہ میں تو آپ راجا ہے
سلیماں نے ہے تیرے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی — تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا راجا ہے
شکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے — دمامہ تیرا جا کر گنبد گردوں پہ باجا ہے
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا — مگر ہدہد کو دیدے کیوں کہی ہدہد کا کھاجا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے — نادر ہے اک نیا نکالا سب سے
سر دفتر لشکر سلیماں ہے یہ — اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راستہ آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے — تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا — غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دل لگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر ایسے بھی رکھدیتے تھے جنمیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پہ چوٹیں کیجاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض شعر یہ تھا۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح شہپر مضراب نہیں

غالب مرحوم خود ایک ظریف اور دریادل آدمی تھے اُن پر اِن باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو بازیگاہ بنا دیا۔ مگر قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد ست۔ بیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہدہد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوکِ زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر شیر بنگالا ہے ۔۔۔ مقابل تیرے کیا ہو تو اکیلا۔ نر کی مادہ ہے
گر اب کے بازی میدان میں آئی سامنے میرے ۔۔۔ تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے
مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے ۔۔۔ ہوا معلوم یہ اس سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے
او سالے بے ادب اب تک نہیں تجھکو خبر اسکی ۔۔۔ کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا شہزادہ ہے

جب وہ دو چونچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑنچھو ہو گیا۔ اور ہدہد نے پالا جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہدہد کے مقابلہ کو ایک کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہدہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں وہ بھی نفرو ہو گیا اسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جو ان آیا ہے عدو اسکے بدل کوے کی ۔۔۔ اسکی ہے پاؤں سے تا سر وہی خو کوے کی
وہی کالا کالا وہی کہیں کیں وہی ہڈیاں اسکی ۔۔۔ ات چھوڑی ہی نہیں بال اک سر مو کوے کی
پہچانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہوگا ۔۔۔ پھر جو معلوم کیا ہے یہ بو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ
دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں اوکیسے کی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے
مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے
وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادہر اُدھر سے
بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

ہرچند ۔ عبدالکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں ۔
زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعرا میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف
ایک شعر ہدیہ ناظرین کرسکتا ہوں ۔

ہم جو کم ہے عیاشی فیض تنگدستی ہے ۔۔۔۔ ورنہ ۔۔۔۔ واے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا ۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں
بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ
گو تھے ۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ وسلامت موجود تھے ایک ضخیم
دیوان ان سے یادگار رہے ۔ مگر ناپید ہے اسی لئے ان کی ظرافت کے پورے پورے
نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتًا درج کیا جاتا ہے ۔ جو اس وجہ
سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور
شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بامید انعام ایک قصیدہ
کہا ۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کرکے ان کو سنا دیا ۔

دو چیز ست بد تر ز تیر حرامی ۔۔۔۔ سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا ۔ البتہ ایک مجموعہ
ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی ۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے ۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہوجائیں گے تجھ پر منکشف
اے منجم جب فنا فی الفرج تو ہوجائیگا

خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی
اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہوجائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے۔ مگر چونکہ بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوے کہ ان کے والد کا انتقال بھی ہوگیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُسوقت یار تخلص کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔

جوان کو دیکھتا ہے کہتا ہے انگور وہ شیریں ۔۔۔ لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن اے یار ۔۔۔ میں دبلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

اداؤں کی دونالی سے وہ سبکو قتل کرتے ہیں ۔۔۔ نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی ٹھینگے سے ۔۔۔ مرے حصہ میں بھی ٹھ ہے ترے حصہ میں ٹھینگا ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا ۔۔۔ بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے ۔۔۔ یہ اب بندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا   موت کی دھار میں بہتا ہوا ایسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھا دیکھا   سـا کیا کہیں ہم کہ شب وصل ہمیں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائر دل کی ہے نشانی اے یار   ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ یہ الو ہو کر

خانہ بر دوش اُسے کہتے ہیں اے زلف دوتا   اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار   ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلیٰ کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا   آپ سمجھا لیجئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینانِ جہاں ہیں مالکانِ نقد دل   ان سے بیشک ٹیکس لینا چاہئے سرکار کو

یاسمن - ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا - یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کنیز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی صحبت سے اس قدر متنفر تھی کہ اُس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی - اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی -
چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا -

دختر رز سے رات صحبت تھی   شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

پیل — عبدالقادر نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا۔ اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص سے لڑا۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لئے اسپر غالب آیا۔ اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اسپر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑکر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا۔ شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بسبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا۔ چند یہ ہیں۔

و[illegible] رقیب ہے کہ وہ باز آے جنگ سے ۔۔۔ ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اُس دبنگ سے
[illegible] پیل بنے ہوے تم کچھ دبنگ سے ۔۔۔ مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے
[illegible] دیا ہے مزا خط سبز نے ۔۔۔ ساقی نے پشت دی ہے صافی کو بنگ سے
[illegible] کہیں آتی ہیں گر نظر ۔۔۔ واں ہم بھی جا دھمکتے ہیں دلگی امنگ سے
[illegible] نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا ۔۔۔ یاری تو تم نے کی ہے پر اس شوخ و شنگ سے

مطبوعہ نگار مشین پریس

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ باہتمام نیاز فتحپوری

ملنے کا پتہ صرف "نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ"